جلد ۱۰۴ جنوری سنہ ۱۹۸۶ عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

مولانا مودودی کے سیاسی افکار

مرتبہ: عبدالکریم عابد

ریاست و سیاست کے چوبیس ۲۴ اہم موضوعات اور عنوانات کے تحت مولانا کی سینکڑوں صفحات پر مشتمل بصیرت افروز تحریروں سے اخذ کردہ مواد اور اقتباسات۔

چند عنوانات پر ایک نظر

— سیاست اور اخلاقیات کا باہمی تعلق۔ — اسلامی قومیت کا نظریہ۔
— تصورِ انقلاب اور طریقِ انقلاب۔ — یورپین نیشنلزم کا جائزہ۔
— اسلامی ریاست کی روح اور ڈھانچا — خارجہ پالیسی کے بنیادی و اخلاقی اصول۔
— اسلامی قانون کی تدوین اور نفاذ۔ — سیاسیاتِ عالمِ اسلام کا تجزیہ۔
— جمہوریت سے متعلقہ مباحث۔

اور

— مولانا مودودی کی سیاسی بصیرت کے بارے میں پانچ اہم مضامین

سائز: ۱۸×۲۳ / ۸ — قیمت: ۲۴/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ رحمان مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر: ۳۲۴۴۶۸ / ۶۸۶۴۳۶

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۴ | جنوری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زرسالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج ۱۲ دسمبر کو جب راقم ان سطور کے لکھنے کا آغاز کر رہا ہے، وہ وقت قریب آگیا ہے کہ مارشل لا اپنی تلوار نیام میں ڈال کر اپنے بھاری بوٹوں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ اباؤٹ ٹرن کر جائے اور ۱۹۸۶ء سالِ جمہوریت قرار پائے۔ خدا کرے کہ کوئی ایسی صورت واقع نہ ہو جس پر یہ ضرب المثل چسپاں ہو سکتی ہو کہ "آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا"۔

سیاست کی تجدید اور جمہوریت کی بحالی کے اس مرحلے میں سیاسی جماعتوں کے احیاء کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ[1] کو ترمیم کے رندے سے چھیل چھال کر (اچھی یا بُری صورت میں) تیار کر دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیاسی جماعتوں کی بحالی کا امکان بہت نمایاں ہے۔

جماعتِ اسلامی کی نظریاتی و تنظیمی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ آپ اگر اس مشینری کے تمام اجزا

---

[1] ہمارا نقطۂ نظر شروع سے یہ رہا ہے کہ تجارتی فرموں کی طرح پارٹیوں کو رجسٹریشن کا پابند کرنا اور ان کے نظامِ کار اور نظامِ مالیات کے متعلق حکومت کے کسی محکمے کا معلومات حاصل کرنا (جب کہ حکومت خود ایک جانبدار سیاسی فریق ہے اور اسے بھی کسی نہ کسی پارٹی کے ذریعے چلنا ہوتا ہے)، ہمارے لیے اور ملک و قوم کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ حالات کی مجبوری کے تحت رجسٹریشن کرائی گئی تھی۔

کو الگ الگ کر کے کئی برس تک بکھرا رہنے دیں تو بھی ان تمام پرندوں کے درمیان کوئی ایسا مخفی تجاذب ہے کہ ایک اشارہ ملتے ہی یہ ہر طرف سے لپک کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ایک کیل اپنی جگہ اس طرح کام کرنے لگتا ہے، گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس میں بڑا دخل اس بات کو بھی ہے کہ قانوناً افراد کا تنظیمی رشتہ تو پوری طرح باقی نہیں رہتا، لیکن اُن کے نظریات و افکار اور ان کے اخلاق و کردار اور ان کی دینی و سماجی خدمات کی صورت میں وہ تحریک ماحول میں موجود رہتی ہے جو انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے والی اصل قوت ہے۔ اور اس تحریک کی نورانی روح توحید ہے، یعنی خدا کی ذات و صفات کا وہ صحیح تصور جس سے ساری زندگی الٰہِ واحد کی عبادت اور طاغوتی قوتوں سے بغاوت بن جاتی ہے۔

مارشل لا کی طویل شبِ جبر کاٹنے کے بعد نہضتِ جدیدہ کی صبح ہمارے سامنے ہے۔ اگرچہ ابھی مشکلات اور پیچیدگیاں باقی ہیں، مگر آگے بڑھنے کا راستہ کھلا ہے۔ سو یہ لمحہ جب کہ کسی نہ کسی شکل میں دستوری جمہوریت نمودار ہو رہی ہے آپ کے لیے اور دین و ملک کے لیے مبارک ہو۔ نئے دَور کا آغاز ہمیشہ نئے عزم سے ہونا چاہیے۔ پس ایک مرتبہ دلوں میں میثاقِ ایمان کی تجدید کر کے، اپنے نصب العین پر نگاہیں مرتکز کر لیجیے اور خدا و رسولؐ کے احکام، اپنے دستوری اور تنظیمی فیصلوں، اپنی تحریکی روایات کی روشنی اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و تائید کی دعاؤں کے ساتھ پہلے سے تیز تر جادہ پیمائی کا آغاز کر دیجیے۔ خدائے قادر و توانا اس معرکہ غلبۂ حق میں ہم آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میں اس امر سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ پچھلے "دَور" "کالعدم میّت" میں جماعتی ہیئت سے محروم ہونے کے باوجود، فرد فرد ہو کر بھی آپ نے خدا اور رسولؐ کو مرکز دل و نگاہ بنا کر اپنے آپ کو اس مرکز کے گرد جمع رکھا۔ نیز خدمتِ دین اور فلاح ملت کے لیے جن محدود دائروں میں بھی ممکن ہوا تھا، وقیع کام سرانجام دیئے۔ الحمدللہ کہ اقامتِ دین کی دعوت بھی ایک وسیع لٹریچر کی موجودگی کی وجہ سے آہستہ آہستہ پھیلتی رہی۔

لیکن یہ تلخ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ مارشل لا کے تسلط اور جماعتی کالعدمیت نے ہماری دینی و سیاسی سرگرمیوں کو بھی اور ہمارے معیارات کو بھی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ایک اجتماعی حادثہ تھا جس سے آپ بچ تو ضرور نکلے لیکن کچھ نقصانات اور کچھ زخموں کے ساتھ۔ ان نقصانات کی تلافی اور ان زخموں کا اندمال اشد ضروری ہے۔ ان سے آنکھیں بچرانا سخت نقصان دہ ہوگا۔

جماعت کے "دورِ کالعدمیت" میں مارشل لا نے انتہائی شدید نقصان ہمیں پہنچائے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اوّلین ناخوشگوار تجربہ جس کا کرب زیادہ محسوس ہوتا ہے، وہ یہ ہے۔

نفاذِ اسلام کے نام پر ٹھیک انہی اصطلاحات اور ویسے ہی جملوں اور سلوگنوں کو بکثرت استعمال کیا گیا جو ہماری دعوت و تحریک کی ترجمانی کرتے تھے۔ مگر ان اصطلاحات اور جملوں کو نمائشی طور پر بول کر عملاً جو کارروائیاں کی گئیں وہ خودِ اسلام کے خلاف فضا تیار کرنے کا باعث بنیں۔ بعض اقدامات بالکل غلط، بعض ناقص اور ادھورے، بعض قول و فعل کے تضاد کے آئینہ دار، بعض کے پیچھے مخالفِ اسلام شخصیتوں کی سربراہی، ملکی اور فوجی عدالتوں کی قانونِ شریعت سے آزادی، ایسے دوہرے عدالتی نظام کے ساتھ شرعی عدالتوں کی پخ، مالیاتی معاملات اور سودی بنکنگ کا کتاب و سنت کے احکام سے استثنیٰ وغیرہ احوال نے نفاذِ اسلام کا ایسا یاس انگیز تجربہ پیش کیا کہ ہم نے رائے عام کو تیار کرنے کا جو کام برسوں کی محنتوں سے کیا تھا اسے شدید نقصان پہنچا۔

ہم چونکہ اپنی پوری تنظیمی اور تحریکی قوت کے ساتھ میدان میں موجود نہ تھے، لہٰذا بیوروکریسی نے ذرائع حکومت اور دانشوروں اور فنکاروں نے ذرائع ابلاغ[1] دونوں طاقتوں سے بھرپور

---

[1] ذرائع ابلاغ کے کارناموں پر ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا۔ مگر اندازہ ہوا کہ مضمون (باقی بر صفحہ آئندہ)

کام لے کر لادینیت کی اُس مخالفِ اسلام تحریک کو زندہ کرنے کی کوشش کی جو پاکستان کے ابتدائی سالوں میں خوب اچھی طرح کچلی جا چکی تھی۔ یہاں تک کہ مارشل اصغر خاں نے لادینی ریاست پر پوری ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اور لادین سیاست کے خداوندوں کے ایک بڑے مرکز نے لندن میں اس کی تقریب منعقد کرائی۔ ان کے تھیسس کا خلاصہ یہ ہے: —— "مسلم حکومت —— بلا اسلام" ——
اس طرح اسلام کے خلاف انتشارِ فکری کا گڑا مُردہ پھر قبر پھاڑتا اور کفن سرکاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ انتہائی جزوی، ناقص اور پُر تضاد اسلامائیزیشن کے زیرِ سایہ اس ملک میں علماء اور دینی گروہوں میں طرح طرح کے اختلافات اس کثرت سے اور ایسی شدت اور ضدم ضدا کے ساتھ اُبھرے کہ اُن کا کسی مشترک مقصد کے لیے سر جوڑ کر بیٹھنا اور قدم ملا کر چلنا ممکن نہ رہا۔ فحاشی کا مسئلہ اُٹھا، رجم کی بحث چھڑی، حدیث پر مضامین کا سیلاب اُٹھا۔ اسلام کے فوجداری قانون میں عورت کی شہادت پر نزاعی آوازیں اُٹھیں، "مرد و زن دوش بدوش" کے عنوان سے مخلوط معاشرت کے نعرے گونجے، کھیلوں کی زنانہ ٹیموں نے پہلے اندرونِ ملک مرد تماشائیوں کے سامنے مظاہرہ "ترقی" کا آغاز کیا اور پھر بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کے لیے پُر زور تحریک شروع کی —— ایسے ہی کئی اور اشتعالے اُٹھے، مگر کسی معاملے میں یہ نہ ہو سکا کہ حالیہ مارشل لا سے قبل کے کئی سالوں کی مثالوں کے مطابق علماء یک جا بیٹھ کر اپنی کوئی متفقہ آواز بلند کرتے —— بدقسمتی سے اُلٹا یہ ہوا کہ مختلف الخیال دینی حلقوں نے اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپنے علماء کے اشاروں پر ایک دوسرے کے مقابلے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

بہت پھیل جائے گا۔ اتنی بات اشارۃً کہہ دینا ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے نشری اور اشاعتی اقتباس سامنے رکھ کر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے مختلف مسائل پر اہل اور نا اہل لوگوں کی طرف سے باہم دگر ٹکرانے والی رنگا رنگ باتیں اس طرح لائی گئیں کہ اسلامی نظامِ اعتقاد و فقہ کے متعلق لوگوں کے ذہن پراگندہ ہو جائیں۔ دین کے خلاف سرکشانہ رجحانات کو خوب اچھالا گیا اور علاوہ ازیں اسلام کے عائلی نظام اور اس کے قانونِ حجاب کے خوب خوب پرخچے اُڑائے گئے۔

بڑے بڑے اکٹھے کیے۔

اس صورتِ حال نے مجموعی طور پر دین کے غلبہ و فروغ کی ہر اس کوشش کو مجروح کیا جو کسی بھی حلقہ کی طرف سے ہو رہی تھی۔

اسی خرابی احوال کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کی مجموعی دینی فضا کے زیر اثر حکمرانوں نے جس طرح قرارداد مقاصد پاس کی، اپنی پیش کردہ دستوری سفارشات کو واپس لیا اور علماء کی مرتب کردہ ترامیم کے مطابق نئی سفارشات تیار کیں اور نئی سفارشات کی اساس پر ۱۹۵۶ء کا دستور بنایا، آج صورتِ حالات اس کے برعکس یوں ہے کہ حکومت نئی دستوری ترامیم میں اسلام کو کمزور سے کمزور شکل میں جگہ دینے اور اس سلسلے کی عملی ذمہ داریوں میں تاخیر و التوا کی وسیع گنجائش رکھنے میں نہایت درجہ جسور رہی ہے۔

دینی محاذ کے ساتھ ساتھ سیاسی محاذ بھی کمزور ہو گیا۔ یہاں بھی ایسا افتراق پھیلا کہ ایک ایک لیڈر اور ایک ایک جماعت نے مختلف مسئلوں میں نہ صرف اختلافی آرا قوم کے سامنے رکھیں، بلکہ بار بار موقف بدل کر اپنے وقار کو کم کیا اور عوام میں انتشار پھیلایا۔ بھانت بھانت کی بولیاں سنتے سنتے عوام کا اعتماد سیاسی قیادتوں سے ہٹتا گیا۔ پھر جب وہ کمزور ہو گئیں تو انہوں نے ایک ایسا گٹھ جوڑ بنایا جو حکومت اور عوام دونوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت کم کرنے کا باعث ہوا۔ مارشل لا حکومت نے اپنی مضبوطی کے لیے یہی چاہا تھا اور لیڈروں نے یہی کر دکھایا۔

اسی مجموعی خرابی احوال کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ افغانستان کے متعلق روسی لابی کے نقطۂ نظر نے اپنی راہ اس طرح بنالی ہے کہ "دماغ میرا ہے، بات اُن کی" والی صورت ہے، بلکہ بھارتی لابی بھی زیادہ موثر طور پر کام کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں علاقائیت اور صوبائیت کے تعصبات کو پرانے ماہر لیڈر ہوا دے رہے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی چشمہ لنک کینال کو کھولنے پر ہنگامہ ہوتا ہے، کبھی کالا باغ ڈیم کی مخالفت ہوتی ہے، کبھی بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے علاقائی پروگراموں پر نزاع شروع ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف اخلاقی پستی تیزی سے بڑھ رہی ہے، جرائم کا طوفان اُٹھ رہا ہے، لوگ کسی بھی مشترک مقصد سے محروم ہو کر اپنے اپنے مفاد و تعیش کے حصول میں مگن ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اقتصادی اور مالیاتی ترقی با اضافۂ دولت اور منصفانہ تقسیم دولت کے لحاظ سے ہماری رفتار سست

ہے۔ نظریاتی اور اقتصادی دونوں پہلوؤں سے یہی نقشہ اگر چندے اور رہا تو ہم اپنی مخالف قوتوں کے لیے نرم چارہ بن جائیں گے۔ خدا نہ کرے۔

یہ ہیں مارشل لا کے دور کے پیدا کردہ چند بڑے نقصانات جن کو سامنے رکھ کر ہمیں اس طرح کام کرنا ہے کہ ہم ایک بار پھر اس مقام پر پہنچ جائیں کہ ہم مرکز توجہ تھے اور ہر کوئی اس کا منتظر رہتا تھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ یعنی خواص و عوام کی ذہنی قیادت جب تک حاصل نہ کی جائے گی ہم دھیمی رفتار سے گھسٹتے رہیں گے۔ اور اس زمانے کی تیز رفتار قوتیں ہمیں کچل کر آگے نکل جائیں گی۔ اپنے سابق مقام اہمیت کو فوری طور پر حاصل کر لینا ہماری اولین ترجیح ہوگی۔

مارشل لا نے بہت بڑا نقصان جو براہ راست ہمیں پہنچایا، وہ یہ تھا کہ اس نے ہمیں ہماری تنظیمی فعالیت سے کئی سال کے لیے محروم کر دیا۔ اس کے جو اثراتِ بد پڑے ہیں۔ ان کو خاص طور پر نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ مکمل فعال تنظیمی ہیئت اور پورے پورے تحریکی عمل کے موجود نہ رہنے کی وجہ سے مارشل لا کی جبریت نے دعوتِ حق کی توسیع اور تربیتی استحکام کی رفتار کو بہت کم کر دیا۔

۲۔ کسی بھی با اصول سیاسی جماعت اور خصوصاً منظم دینی تحریک کے لیے بار بار ایسے فیصلہ کن لمحے آتے ہیں جو فکری و سیاسی لحاظ سے تصادمی حالات پیدا کر دیتے ہیں، لیکن مارشل لا کے ہوتے ہوئے چونکہ رائے عام کو منظم کرنا، عوام کو اٹھانا۔ ان کو منظم رکھنا اور ان کو غلط الفکر عناصر کے قبضے میں جانے سے بچانا بغیر ایک مضبوط نظامِ جماعت کے ممکن العمل نہیں تھا۔ اس لیے اختلافات کے پُر زور اظہار کے باوجود سیاسی تصادم کا کوئی محاذ کھولنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک فعال نظامِ جماعت کی جس طرح صحت مندانہ نشوونما جاری رہنی چاہیے، وہ مارشل لا کے دور میں کماحقہٗ جاری نہ رہ سکی۔

۳۔ قوم جو ایک طرف مارشل لا کی آزمائش سے دوچار تھی، دوسری طرف اس کے اندر انتہائی تخریبی طریق کار کے علمبردار عناصر نفوذ پکڑنے لگے جن کی پیش قدمی کے معنی مارشل کا طول پکڑنا

تھا۔ ہماری نگاہ ملک کے بیرونی دشمنوں کی مفسدہ انگیزیوں پر بھی تھی، خصوصاً مجاہدین و مہاجرین افغانستان کے مسائل انتہائی اہم اور نازک تھے، چنانچہ ان گوناگوں پیچیدگیوں کے درمیان گھر کر ہم اور ہمارے ہم خیال احباب اور سابق شرکائے جماعت ہر اہم موقع پر غور و فکر کرنے کے بعد بہت ہی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے برابر اس کاوش میں رہے کہ محبان اسلام اور محبان پاکستان کی طرف سے ملک کی سالمیت، اور ملت کے اتحاد کو نقصان نہ پہنچے، نیز تخریبی قوتیں عوام کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن سکیں۔

ظاہر ہے کہ مارشل لا کے تحت اتنی پیچیدگیوں کے درمیان تقریباً غیر منظم صورت میں جو کام ہوا، اس کی نوعیت مطلوبہ معمول و معیار سے کچھ نہ کچھ مختلف رہی۔ لیکن اب تبدیلیِ احوال کے بعد ہم نسبتہً بہتر فضا میں فیصلے کر کے اپنے مقصد کی راہ پر جرأت مندانہ اقدام کر سکیں گے۔

۴ ۔ مکمل جماعتی انضباط اور مؤثر دعوتی اور سیاسی سرگرمیوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے افراد میں کچھ نہ کچھ ڈھیل پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے حالات میں معاشی و مفادی سرگرمیاں اور تفریحات اور گھریلو دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں۔ دعوت کے کام میں کمی آنے اور مسلسل عوام کے سامنے نہ جاتے رہنے اور احتساب کے ڈھیلا ہو جانے کی وجہ سے ایمانی، تعبدی اور اخلاقی قوت گھٹ جاتی ہے۔ جن اصولوں، ضابطوں، روایات اور پروگرام کو لے کر ہم اٹھے ہیں اور جن کی پابندی کرتے ہوئے برسوں قربانیاں دی ہیں، ان کے متعلق بعض افراد میں بڑی دھیمی رفتار سے پسپائی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کاروبار کے دائرے میں، حسابی نزاعات میں، گھریلو احوال میں، تفریحات کے دائرے میں، مخالفانہ ثقافتوں کے قطعی ناجائز پہلوؤں کے بارے میں استقامت کے انقلابی رویے کے بجائے ماحول سے سمجھوتے کا انداز غالب آ جاتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ اپنے ہی بنیادی لٹریچر کے اصول و توضیحات اور صفاتی خاکوں اور ہدایات کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لیں تو آپ کو کسی کے توجہ دلائے بغیر صحیح صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کن کن پہلوؤں سے کتنا بدلے ہیں اور اس بدلنے میں کتنے پہلو ایسے ہیں کہ جن پر پسپائی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اس پیدا شدہ فرق کا کتنا بڑا حصہ مارشل لا کے دور کا مرہون منت ہے، بلکہ تازہ زخموں نے ہمیں پچھلے سارے زخم بھی یاد دلا دیے ہیں۔ اب اگر خدا توفیق دے تو نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے ان زخموں کی رفوگری میں ذرا کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ تنظیمی تعطل نے ہمیں باہمی تنقید کے اس عمل سے بڑی حد تک محروم کر دیا ہے جس کا جاری رہنا صحت مندانہ اسلامی نظامِ جماعت کے لیے اشد ضروری ہے۔ اب جرأت اور خوبصورتی سے تنقید کرنے کی تربیت کا اثر دھیما پڑ گیا ہے اور دوسری جانب اب ہم سب لوگوں میں تنقید کو ہنستے مسکراتے سننے اور کشادہ دلی اور پیار بھرے انداز سے جواب دینے یا اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرنے کی صلاحیت بہت کم ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ تنقید کرنے والوں کو بسا اوقات اچھی طرح جھنجھوڑ دیا جاتا ہے اور جس پر تنقید کی گئی ہو اُس کے دل میں ناقد کے خلاف مستقلاً گرہ پڑ جاتی ہے۔ اجتماعیت کی زندگی کا صحیح نشو و نما اُصولِ تنقید کے اجرا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگوں کو اس کے لیے جلد سے جلد اپنی صلاحیتوں کو پورے معیار پر قائم کرنا چاہیے۔

۶۔ کوئی بھی قیادت بہترین قابلیت و صلاحیت کے باوجود اپنے ہم خیال حلقوں کے مکمل تنظیمی تعاون کے بغیر ماحول پر گہرا اثر ڈالنے کی پوری قوت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ مارشل لا ہمارے لیے اس لحاظ سے بھی مضر ثابت ہوا کہ ہماری صفِ قیادت کو پالیسیاں بنانے اور حالات پر اثر انداز ہونے کے لیے جو قوت درکار تھی وہ تنظیمی ہیئت کے تعطل کی وجہ سے برسرِ عمل نہ آ سکی۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مشورہ و تنقید کے اُصولوں کے ساتھ سمع و طاعت کا نظم انتہے شاندار طریق سے لے کر چلیں کہ ہمارے درمیان سے جو بھی افراد نمائندگی اور قیادت کے مناصب پر بیٹھیں اور پھر سب سے اُوپر جو بھی شخصیت امارت کی باگ ڈور سنبھالے وہ اپنے آپ کو قوی محسوس کرے اور اُسے اپنے متعلق اور جماعت کے متعلق پورا پورا اعتماد حاصل ہو۔ بحالیٔ جماعت کے ساتھ یہ صورت اگر عملاً کارفرما ہو گئی تو پوری جماعت اور امیرِ جماعت اور اس کے ساتھ ہر کارکن اپنے آپ کو زیادہ مضبوط سمجھے گا۔ پھر جو پالیسیاں بنیں گی اور جو فیصلے ہوں گے ان میں نئی توانائی ہو گی اور اس طرح حالات پر اثر اندازی بڑھ جائے گی۔

قوت کی دو قسمیں ہیں جو جماعتوں اور تحریکوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک عددی قوت۔ دوسرے صفاتی یا رُوحانی یا اخلاقی قوت۔ سیاسی سرگرمیوں کے تقاضوں سے غیر محسوس طور پر ہمارے

اندر "عددی قوت" کو زیادہ اہمیت سے بڑھانے کا رجحان پیدا ہوا اور صفاتی قوت کا معیار کسی نہ کسی حد تک کم ہوا۔ حرکت و کشمکش کا عمل جو کسی تحریک کی جان ہوتا ہے اس کے لیے عددیت بھی اہم ہے مگر اصل قوت صفاتی قوت ہوتی ہے جو عددی قوت کو دس دس گنا تک بڑھا دیتی ہے۔ ہماری اساسی پالیسی، بلکہ امتیازی تنظیمی نقشہ برسوں سے اس اصول پر موسس تھا کہ اخلاقی و صفاتی قوت عددی قوت سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ جماعت نے بارہا ایسے ارکان کو کاٹ کر الگ کر دیا جو کم سے کم درجے کے مقررہ دستوری معیار سے نیچے چلے گئے۔

آج از سر نو تنظیمی عمل شروع کرتے ہوئے ہمیں صاف صاف لوگوں کو محسوس کرانا چاہیے کہ یہ کوئی خاص "باڑہ" نہیں جس میں جو داخل ہو جائے وہ اس کا ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ اسلامی نظام جماعت ہے جس کا چندہ چند عقیدوں، عبادات اور اخلاق و معاملات کو اختیار کرنا ہے۔ جو یہ نہ کر سکے وہ ایک پاکیزہ مقصد کے لیے کام کرنے والی خالص دینی جماعت میں آکر اسے تباہ یا کمزور کرنے کا باعث نہ بنے۔ اور اگر پہلے سے ایسے لوگ موجود ہوں تو یا تو وہ اپنی اصلاح کر لیں یا فی الحال متفق یا ہمدرد بن کر تعاون کریں۔ رکنیت کے معیار کو پست نہ ہونے دیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ عہد نامۂ رکنیت کی ہر رکن تجدید کرے۔

با اصول اور باکردار لوگوں کی جماعت میں اگر تعداد افراد تھوڑی بھی ہوگی تو کام زیادہ اور بہتر ہوگا، لیکن اصول و کردار کی کمزوریوں کے ساتھ تعداد افراد اگر بہت زیادہ ہو تو باہم دگر اختلافات، اظہارِ بے اطمینانی، غیبت، تجسس، عدمِ رازداری، غلط اعمال کا جماعت کے لیے باعثِ بدنامی ہونا، اجتماعی تقاضوں کے مقابلے میں ذاتی مفاد کو ترجیح دینا، یہ سارے وجوہ مل جل کر رفتارِ کار خراب کر دیتے ہیں۔

ہمیں اپنے اندر اس احساس کو از سر نو ابھارنا چاہیے کہ ہم اول و آخر اسلام کے مشنری، داعی، شاہد، نقیب اور انقلابی سپاہی ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا کام لوگوں تک پہنچنا، عوام سے ملنا اور مخالفین کی غلط فہمیاں رفع کرنا ہے۔ بسوں، گاڑیوں، ہوٹلوں، دفتروں، ہسپتالوں،

درس گاہوں اور کارخانوں کے تمام اداروں میں گھس کر اپنا پیغام پہنچانا۔ پریس اور پلیٹ فارم سے آوازۂ حق بلند کرنا، ہر قسم کی علمی و ادبی اور صحافیانہ سرگرمیوں کے ذریعے کلمۃ اللہ کے نور کو پھیلانا، مکتوب نگاری اور مکالموں کے ذریعے خدا و رسولؐ کی واضح کردہ ہدایت کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متوجہ کرانا ہمارا اساسی اور دائمی پروگرام ہے۔

ہمارا کوئی بھی شخص دفتر چلاتے ہوئے، سودا سلف بیچتے ہوئے، خطوط لکھتے ہوئے ٹیلیفون کرتے ہوئے، کسی مجلس میں شرکت کرتے ہوئے، کسی سے کچھ لیتے اور کسی کو کچھ دیتے ہوئے اور اپنی زبان سے کچھ نکالتے ہوئے بھی بہ امر شدت سے ملحوظ رکھے کہ میں خدا کا مقرر کردہ شاہد و نقیب اور محمدیؐ انقلاب کا سپاہی ہوں اور میرے کردار میں ہر دوسرے آدمی کے لیے کشش ہونی چاہیے۔

متذکرہ بالا اساسی پروگرام کی رُوح ذکر الٰہی، اللہ پر ایمان، اللہ سے محبت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ توجہ رہنی چاہیے کہ اللہ کے ذکر کی کیا شرح ہماری روزمرّہ زندگی میں ہے۔ ہم کس تناسب سے خدا پرستی کی بنیادی دعوت کی طرف لوگوں کو پکارتے ہیں اور ہماری گفتگوؤں کا کتنا حصّہ خدا کے ذکر، خدا کے دین کی دعوت، خدا کے رسولؐ کی محبت، خدا کی کتاب کے بارے میں سعیٔ فہم، عبادت کی باہمی ترغیب و تحریص اور خدا پرستانہ انقلاب کی مساعی اور اس کے مراحل پر صرف ہوتا ہے۔ ہمارے اندر یہ احساس بھی شدت سے موجود ہونا چاہیے کہ ہماری دعوت اور ہمارے ذاتی اخلاق اور اجتماعی سرگرمیوں کے انداز میں کوئی تضاد باقی نہ رہ سکے۔

اپنا یہ صحیح مقام اگر ہم نے دَورِ نو کا آغاز کرتے ہوئے پالیا تو ہم یک دل و یک نگاہ بھی ہوں گے، سرگرم اور متحرک بھی اور اطمینان سے بہرہ مند بھی۔

یہ حقیقت بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو کہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہر باطل نظریے اور ہر فاسد تحریک و تہذیب جو ہم پر حملہ آور ہے اور ہر طاغوتی قوت جو ہمارا راستہ روکتی ہے اور پھر ہمارا بگڑا ہوا ماحول جو سیلابی ریلے کی طرح ہمیں نہ صرف آگے بڑھنے سے روکنا

چاہتا ہے بلکہ قدم بہ قدم پیچھے دھکیلنا چاہتا ہے، سب سے متعلق ہمارا پختہ انقلابی عزم ہونا چاہیے کہ ان مانع و مزاحم قوتوں کے دباؤ کا اثر ہم کبھی قبول نہ کریں گے - اور ایک جگہ جم جانا تو کجا، ہم دینِ حق کے جادۂ انقلاب پر مسلسل آگے بڑھتے جائیں گے - ہم اپنے دین کے ایک ایک اصول اور اخلاق کی ایک ایک قدر کو دانتوں سے پکڑ کر رکھیں - اور اپنی سہولت کے لیے حق اور نیکی کا کوئی ذرہ بھی کسی دباؤ ڈالنے والی قوت کے قدموں پر نچھاور نہیں کریں گے -

---

پس اگر ۱۹۸۶ء کا آغاز جماعتوں کی بحالی سے ہوتا ہے تو نئے عزائم کے ساتھ، تحریکی شعور کی تجدید کے ساتھ، عوام میں کام کرنے کے نئے نقشوں کے ساتھ، خدا سے اپنے معاملات کو بہتر بناتے اور اسلام کی اخلاقی پابندیوں کو اپنے اندر پوری طرح نافذ کرنے کے جذبے کے ساتھ اُٹھیے اور میدانِ عمل میں نئے انداز سے اس طرح اقدام کیجیے کہ آپ اپنے تحریکی وجود کو حکومتی اور عوامی حلقوں میں اچھی طرح محسوس کرا دیں -

خدا ہم آپ سب کا حامی و ناصر ہو -

افسوسناک

رسالے کے طباعتی مرحلے میں بعض خبروں سے اندازہ ہوا کہ جمہوریت تو آئی مگر..... شانِ فحاشی کے ساتھ! — ۱۵ اور ۲۲ دسمبر کو ٹیلی ویژن پر ایک مکروہ "فیشن شو" میں نسوانی جسموں کے ہر پہلو کی نمائش کی گئی - اہم یہ کہ دوپٹے سروں سے غائب تھے - عشق و عاشقی کی کہانیوں میں تصوراتی رنگ کے بجائے اب حقیقی انداز آ رہے ہیں - رقص و سرود کی متروک روایت تازہ کی گئی ہے - سالانہ مخلوط "قومی میلے" میں "ثقافت" نے خوب نخرے دکھائے، وزیر اعظم جنیجو صاحب نے فن کاروں کو سندات اور انعامات دیئے، جن میں سے ذہیب صاحب نے "آؤ کریں پیار" کا لچر گانا گایا -

حکمتِ سیّد مودودیؒ

کم سے کم ضروری صفات

اقتباس کردہ:- جناب محمد یوسف صاحب - منصورہ

آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ آپ دراصل اُمتِ وسط بننے کے اُمیدوار ہیں۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اس مقامِ بلند کو حاصل کرلیں۔ اتنے بڑے منصب کی اُمیدواری کے لیے اُٹھ کھڑے ہونا اور پھر نہ اس کی عظمت کو محسوس کرنا، نہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ایک عظیم الشان بے خبری ہے اور اس سے بڑھ کر بے خبری یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ ان کم سے کم صفات سے بھی ابھی تک متصف نہ ہوئے ہوں جو اس کارِ عظیم کے لیے ضروری ہیں، اور دوسری آپ تقاضا کریں کہ فوراً ہی کوئی بڑا قدم اُٹھا دیا جائے۔ کیا آپ اتنا نہیں سمجھتے اور اس سے ڈرتے نہیں کہ اگر آپ نے کوئی ایسا قدم اُٹھایا جس کے لیے ضروری استعداد آپ نے اپنے اندر پیدا نہیں کی ہے، تو آپ منہ کی کھا کر پسپا ہوں گے اور اس راہ میں پیچھے ہٹنا فرار من الزحف ہے جو خدا کی شریعت میں بہت بڑا گناہ ہے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ وہ کم سے کم ضروری صفات کیا ہیں جو اس دعوت کے لیے کام کرنے والوں میں ہونی چاہئیں۔ دوسری جو ایک صالح جماعت بنانے کے لیے ضروری ہیں، اور تیسری وہ جو مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لیے ناگزیر ہیں۔

شخصی اوصاف میں پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور خدا کا مطیع فرمان بنائے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله۔

"حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کشمکش کرے۔"

یعنی قبل اس کے کہ آپ باہر کی دنیا میں خدا کے باغیوں سے مقابلہ کے لیے نکلیں، اس باغی کو مطیع بنائیے جو خود آپ کے اندر موجود ہے، اور خدا کے قانون اور اس کی رضا کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت تقاضا کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ باغی آپ کے اندر پل رہا ہے، اور آپ پر اتنا قابو یافتہ ہے کہ آپ سے رضائے الٰہی کے خلاف اپنے مطالبے منوا سکتا ہے تو یہ ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ آپ بیرونی باغیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ یہ تو بالکل وہی بات ہوئی کہ گھر میں شراب کی بوتل پڑی ہے اور باہر شرابیوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ تضاد ہماری تحریک کے لیے تباہ کن ہے پہلے خود خدا کے آگے سر جھکائیے۔ پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کیجیے۔

جہاد کے بعد دوسرا درجہ ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا اصل مدعا گھر بار چھوڑنا نہیں ہے، بلکہ خدا کی نافرمانی سے بھاگ کر خدا کی رضا جوئی کی طرف بڑھنا ہے۔ اصلی مہاجر ترکِ وطن اگر کرتا ہے تو اس لیے کہ اس کے وطن میں قانونِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے مواقع نہیں ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے گھر بار چھوڑا اور اللہ کی فرمانبرداری اختیار نہ کی تو اس نے حماقت کی۔ یہ حقیقت بھی احادیث میں اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے۔ بطورِ مثال ایک حدیث کو لیجیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ:

ما الھجرت افضل یا رسول الله۔ یا رسول اللہ کون سی ہجرت بہتر ہے

جواب ملا۔

ان تھجر ما کرہ ربك: یہ کہ تم ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

اندر کا باغی اگر مطیع نہ ہو تو آدمی کا ترکِ وطن کر دینا خدا کی بارگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا ، اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات باہر کی قوتوں سے پہلے اپنے اندر کی سرکش قوتوں سے لڑیئے اور اصطلاحی کفار کو مسلمان بنانے سے پہلے اپنے نفس کو مسلمان بنلیجئے ۔ اس معنی کو جامع تر الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ حدیث نبوی کے مطابق اپنے آپ کو اس گھوڑے کی طرح بنایئے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اور وہ کتنا ہی گھومے پھرے ہر حال میں اس حد سے آگے نہیں جاسکتا جہاں تک رسّی اُسے جانے دیتی ہے ۔ مثل الایمان کمثل الفرس فی اٰخیتہٖ یجول ثمر یرجع الیٰ اٰخیتہٖ ۔ ایسے گھوڑے کی حالت آزاد گھوڑے سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ہر میدان میں گھومتا ہے ۔ ہر کھیت میں گھس جاتا ہے ، اور جہاں ہری گھاس دیکھتا ہے وہیں پوری بے صبری کے ساتھ ٹوٹ پڑتا ہے ۔ پس آپ آزاد گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر سے نکال لیں اور کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر پیدا کریں ۔

اس کیفیت کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرا قدم یہ اُٹھایئے کہ اپنے قریبی ماحول سے جسے میں "ہوم فرنٹ" کہوں گا ، لڑنا شروع کر دیجیے ۔ گھر کے لوگ اعزہ ، دوست اور سوسائٹی جس میں آپ کا گہرا ربط ہے ان سب سے ایک عملی کشمکش شروع ہو جانی چاہیے ۔ کشمکش اس معنی میں نہیں کہ آپ اپنے متعلقین سے کُشتی لڑیں یا اُن سے تُو تُو مَیں مَیں اور مناظرہ شروع کر دیں ، بلکہ یہ کشمکش اس معنی میں ہونی چاہیے کہ آپ بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت اپنے نصب العین کے اتنے دلدادہ اور اپنے اُصول وضوابط کے اتنے پابند ہو جائیں کہ آپ کے گرد وپیش جو لوگ کسی نصب العین کے بغیر، بے اُصول زندگیاں بسر کر رہے ہیں وہ آپ کی پابندِ اُصول زندگی کو گوارا نہ کر سکیں ، آپ کی بیویاں ، آپ کی اولادیں ، آپ کے والدین ، آپ کے رشتہ دار اور دوست آپ کے رویّہ کے خلاف مزاحمت کرنے پر مجبور ہو جائیں ۔

آپ اپنے شہر میں اجنبی ہو کر رہ جائیں ۔ جہاں آپ کسبِ معاش کے لیے رہتے ہوں وہاں آپ کا وجود نمایاں طور پر کھٹکنے لگے ۔ دفتر کی آرام دہ کرسی جس پر بیٹھ کر جاہ و ترقی کے خواب دیکھے جاتے ہیں آپ کے لیے انگاروں کی انگیٹھی بن کر رہ جائے ۔ غرض جو جتنا زیادہ قریبی ہو اُس سے اتنا ہی پہلے تصادم شروع ہو جانا چاہیے ۔ جس شخص کے گھر میں میدانِ جہاد موجود ہو وہ آخر چند میل کے

فاصلہ پر ہی کیوں لڑنے جائیے۔ پہلا معرکہ تو گھر ہی سے شروع ہونا چاہیے۔ اب تک جہاں جہاں سے اس کش مکش کی اطلاعات آرہی ہیں وہاں کے لوگوں سے مطمئن ہو رہا ہوں اور جہاں سے ایسی اطلاعات نہیں آرہی ہیں وہاں کے لیے بے تابی سے منتظر ہوں کہ ایسی کوئی اطلاع ملے۔

مگر میں بروقت یہ واضح کردوں کہ یہ ہماری کشمکش اس ذہنیت کے ساتھ ہونی چاہیے جس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بیماروں سے کش مکش کرتا ہے۔ دراصل وہ بیمار سے نہیں لڑتا بلکہ بیماری سے لڑتا ہے۔ اور اس کی تمام تر جدوجہد ہمدردی کی رُوح سے لبریز ہوتی ہے۔ وہ اگر بیمار کو کڑوی دوائیں پلاتا ہے، یا اس کے کسی عضو پر نشتر چلاتا ہے تو یہ تمام تر بربنائے اخلاص ہوتا ہے۔ دشمنی نہیں ہوتی۔ اس کی نفرت اور اس کا غصّہ بالکل مرض کے خلاف ہوتا ہے، نہ کہ مریض کے خلاف۔ بالکل اسی طرح اپنے ایک گمراہ بھائی کو ہدایت کی طرف لائیے۔ وہ کبھی کسی بات سے یہ محسوس نہ کرے کہ اسے تحقیر سے دیکھا جا رہا ہے یا براہ راست اُس کی ذات سے دشمنی کی جارہی ہے، بلکہ وہ آپ کے اندر انسانی ہمدردی، محبت اور اخوّت کو کام کرتا ہوا پائے۔ میں نے اجتماع دربھنگہ کے موقع پر بھی مختصراً یہ کہا تھا کہ اصلی تبلیغ تقریری اور تحریری مناظروں سے نہیں ہوا کرتی۔ یہ کام کرنے کے بہت ہی ادنیٰ طریقے ہیں۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت کا مجسم ظہور اور نمونہ ہوں۔ جہاں کہیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے یہ نمونہ گزر جائے وہ آپ کے طرزِ عمل سے پہچان لیں کہ یہ ہیں خدا کی راہ کے راہی۔ جس طرح کوئی فنا فی الکانگرس آدمی سامنے آجاتا ہے تو کانگریسیت کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اسی طرح آپ ایسے فنا فی الاسلام بن جائیے کہ جہاں آپ سامنے آئیں اسلامی تحریک کا پورا نقشہ واضح ہو جائے۔ یہی وہ چیز ہے، جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِذَا رُؤُوا ذُکِرَ اللہ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا فوراً ہو جانا چاہیے، یہ مقام تو تدریجاً ہی حاصل ہوگا۔ خدا کی راہ میں جب اپنے ماحول سے پیہم آپ کا تصادم ہوتا رہے گا۔ اور آپ ہر آن ہر لمحہ اپنے مقصد کے لیے کوشش کرتے ہوئے قربانیاں دیتے رہیں گے تو ایک مدت میں جا کر فنائیت کی کیفیت آپ پر طاری ہوگی۔ اور

آپ اپنی دعوت کا مجسّم ظہور بن سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے قرآن و حدیث کو بامعانِ نظر بار بار مطالعہ کیجیے۔ اور دیکھیے کہ اسلام کس قسم کا انسان چاہتا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرز کے آدمی تیار کیا کرتے تھے۔ وہ کیا صفات تھیں جو اس تحریک کے کارکنوں میں پہلے پیدا کی گئیں، اور اس کے بعد جہاد کا عَلَم بلند کیا گیا۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ دُنیا کے سب سے بڑے مُزکّی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انسان تیار کیے تھے انہیں ۱۵ برس کی تیاری کے بعد میدان میں لایا گیا۔ اس تیاری کی تفصیلات معلوم کیجیے اور دیکھیے کہ یہ کس تدریج کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس میں کن صفات کی پرورش مقدم تھی، اور کن کی مؤخر۔ کون سی صفات کس درجہ میں مطلوب تھیں، اور انہیں کس حد تک ترقی دی گئی تھی اور کس مقام پر پہنچ کر اس جماعت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَب تم دُنیا کا بہترین گروہ بن گئے ہو اور اس قابل ہو گئے ہو کہ نوعِ انسان کی اصلاح کے لیے نکلو، یہی نمونہ خود اپنی تیاری کے لیے بھی آپ کے سامنے ہونا چاہیے۔

یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ میں صرف دو حدیثیں آپ کی رہنمائی کے لیے پیش کروں گا جن سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کام کے لیے کن صفات کے آدمی درکار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من احبّ للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان: یعنی آدمی پورا مومن اس وقت بنتا ہے جب اُس کی کیفیت یہ ہو جائے کہ اُس کی دوستی اور دشمنی اور اس کا دینا اور روکنا جو ہو خالص اللہ کے لیے ہو۔ نفسانی اور دُنیوی محرکات اس کے لیے ختم ہو جائیں، دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

امرنی ربّی بتسع ۔ میرے رب نے مجھے نو چیزوں کا حکم دیا ہے۔

۱- خشیۃ اللّٰہ فی السرّ والعلانیۃ۔ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں

۲- وکلمۃ العدل فی الغضب والرضا کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصہ میں ہوں، دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں۔

۳- والقصد فی الفقر والغنا خواہ فقیری کی حالت میں ہوں یا امیری کی حالت میں بہر حال راستی و اعتدال پر قائم رہوں۔

۴- وان اصل من قطعنی اور یہ کہ جو مجھ سے کٹے ہیں ان سے جڑوں۔

۵۔ واعطی من حرمنی۔ اور جو مجھ سے زیادتی کرے میں اسے معاف کر دوں۔

۶۔ واغفر عن ظلمنی۔ اور جو مجھے محروم کرے میں اُسے دُوں۔

۷۔ وان یکون صمتی فکر۔ اور یہ کہ میری خاموشی تفکّر کی خاموشی ہے۔

۸۔ ونطقی ذکراً۔ اور میری گفتگو ذکرِ الٰہی کی گفتگو ہو۔

۹۔ ونظری عبرۃ۔ اور میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

اِن اوصافِ مطلوبہ کا ذکر کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان امر بالمعروف وانھی عن المنکر یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں۔ معلوم ہوا کہ نیکی کو پھیلانے اور بدی کو ختم کرنے کے لیے جو اُمتِ وسط اُٹھے اُس کے فرد فرد میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں۔ انہی اوصاف کے ساتھ یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے۔ یہ نہ ہوں تو ہم کبھی اپنے منصب کے مقتضیات کو پورا نہیں کر سکتے۔

یہ مولانا مودودیؒ کی اس تقریر کا ایک حصہ ہے جو انہوں نے جماعتِ اسلامی کے اجتماع دارالاسلام (متصل پٹھانکوٹ) میں ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء کو فرمائی تھی۔ اس اجتماع میں پنجاب، سندھ، سرحد، کشمیر، بلوچستان کے ارکانِ جماعت شریک ہوئے تھے۔ تقریر کے آغاز میں مولانا محترم نے جماعت کی بعض کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی اور پھر آخر میں وہ کم از کم لازمی صفات بیان کیں جن کا صالح گروہ کے ہر ہر فرد میں پایا جانا ضروری ہے۔ (مرتب)

حالات و مقامات

ادارہ

جہادِ افغانستان کے چھ برس

جہادِ افغانستان ساتویں برس میں داخل ہو گیا ہے۔ لاکھوں سر بکف جیالے اپنے وطن کی یخ بستہ فضاؤں کو اپنے گرم لہو سے پگھلانے اور دشمن کو جارحیت کا مزہ چکھانے میں مصروف ہیں۔ ادھر شنید ہے کہ ریگن گورباچوف مذاکرات میں مسئلہ افغانستان پر گفتگو ہوئی اور جمود ٹوٹنے کے آثار دکھائی دیے۔ جنیوا کے مذاکرات سے بھی نئی امیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں، لیکن افغانوں کے لیے صحیح راہ اپنی قسمت اپنے لہو سے تحریر کرنے کے سوا کوئی نہیں۔ ان کا پختہ یقین ہے کہ اپنی جنگ انہیں تنہا ہی لڑنا ہے۔ اگرچہ یہ جنگ تنہا ان کی نہیں، بلکہ یہ پوری امتِ مسلمہ کی بقا اور حرمت کی جنگ ہے۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں روس کی ایک لاکھ سے زائد فوج افغانستان میں داخل ہوئی تھی، تو شاید روسی حکومت کے گمان میں بھی نہ تھا کہ بے سروسامان مجاہدین اس کی قوت اور اسلحہ کا چند روز بھی مقابلہ کر سکیں گے، لیکن مجاہدین کی چھ سالہ بے مثال مزاحمت نے "سپر طاقت" کا سارا بھرم کھول دیا۔ محتاط اندازوں کے مطابق تیس ہزار سے زیادہ روسی فوجی مارے گئے۔ اربوں روبل کا روسی اسلحہ، طیارے، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں افغانستان کی بلندیوں اور ترائیوں میں برباد ہوئیں۔ کابل سے صرف ساٹھ کلومیٹر دور پنج شیر میں مجاہدین چھ برس سے روسیوں کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں اور روسی فوج ان پر بیسیوں چھوٹے بڑے حملے کر کے ناکام و نامراد اپنے زخم چاٹ رہی ہے۔ کابل سے صرف سترہ کلومیٹر دور وادیٔ پغمان میں مجاہدین کا ناقابلِ تسخیر مورچہ موجود ہے۔ کابل شہر کے جنوب میں کابل خورد میں ان کی پناہ گاہیں ہیں، بلکہ کابل شہر بھی ان کی تگ و تاز سے محفوظ نہیں ہے۔ افغانستان کا نوے فیصد

علاقوں ان کے کنٹرول میں ہے۔ پکتیا، لوگر، غزنی، کنڑ اور جلال آباد کے سو فیصد پہاڑی علاقے پر ان کا قبضہ ہے ــــ وہ جدید اسلحہ سے آج بھی محروم ہیں، فضاؤں میں گدھوں کی طرح منڈلانے والے رُوسی طیاروں کو گرانے کے لیے ان کے پاس مؤثر ہتھیار نہیں ہیں، لیکن گذشتہ چھ برس میں وہ دُنیا کی سب سے بڑی گوریلا طاقت بن چکے ہیں۔ ان کے ہر سپاہی کے پاس کم از کم ایک رائفل موجود ہے اور رُوسی ان کے اِرادوں کی فولاد پگھلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللّٰھم زد فزد۔

نائیجیریا کی خواتین کا مطالبہ

نائیجیریا کی مسلم خواتین کی نو تشکیل انجمن نے ملک میں شرعی عدالتیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ فیڈریشن آف مسلم ویمن آف نائیجیریا (FOMWAN) کی ملک گیر کانفرنس منعقدہ منا میں جہاں پانچ سو سے زیادہ نمائندہ خواتین موجود تھیں، حکومت سے کہا گیا کہ مسلمانانِ نائیجیریا کو اپنے معاملات و مسائل اسلامی اُصولوں کے مطابق طے کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ تمام ریاستوں میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، شرعی عدالتیں قائم کی جائیں۔ خواتین نے سکولوں، کالجوں اور دوسرے اداروں میں مروجہ طالبات اور خواتین کے غیر اسلامی لباس پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔ کانفرنس نے آواز اُٹھائی کہ کچھ ادارے اپنے ملازمین کو نمازِ جمعہ ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ کانفرنس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس قانون شکنی کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔ کانفرنس نے حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ سُود کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے سُود پر مبنی بین الاقوامی قرضے بھی نہ لیے جائیں۔ خواتین نے نائیجیریا کی تاجر برادری سے اپیل کی کہ وہ آگے آئے اور سود سے پاک بنک قائم کرے۔

بنگلہ دیش[1] میں ترقی کا ایک اہم قدم

دل خوش کُن اطلاع ہے کہ ڈھاکہ میں مسلم ممالک کی مشترکہ کوششوں کا مظہر، عظیم الشان اسلامی

---

[1] ۱۶ دسمبر کی تاریخ ان دردناک سازشوں اور حوادث کی یاد تازہ کرتی ہے جن کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ووکیشنل ٹریننگ سنٹر تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ تیس ملین کی لاگت سے تعمیر ہونے والی اس عظیم الشان عمارت کا مقصد مسلم ممالک کے لیے تربیت یافتہ اور ہنرمند کارکن تیار کرنا ہے۔ ۳۱ ایکڑ اراضی پر خوب صورت مسجد، شاندار لائبریری، وسیع آڈیٹوریم اور ڈیپارٹمنٹس کی عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔ کلاسیں اگلے سال ستمبر سے شروع ہوں گی۔ اساتذہ وطلبہ کی اقامت گاہیں بھی بنائی گئی ہیں۔ سنٹر کے مختلف شعبوں میں سنجارتی، مکینیکل اور الیکٹریکل انجینیرنگ کی تعلیم دی جائے گی۔ اس کے علاوہ مختلف اسلامی ممالک کے تبلیغی مراکز، مساجد اور دینی اداروں میں خدمات انجام دینے والوں کے لیے اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامیات کے کورس اور تربیتی پروگرام بھی شامل کیے گئے ہیں۔ تمام طلبہ کو عربی کی لازمی تعلیم دی جائے گی۔ پہلے مرحلے پر ۶۵۰ طلبہ، ۱۵۰ اساتذہ، ۲۰۰ تکنیکی کارکنوں اور ۱۰۰ عام ہنرمند افراد کو تیار کیا جائے گا۔

جماعت اسلامی بنگلہ دیش نے مطالبہ کیا ہے کہ انسداد فحاشی کے لیے شرعی حدود کو فی الفور نافذ کیا جائے۔

امریکہ میں تباہ کُن جنسی انقلاب

جدید مادہ پرست معاشروں نے زندگی کے مختلف دائروں میں فطرت کے خلاف جو جنگ چھیڑ رکھی ہے اُس میں ایسے دردناک مناظر بھی سامنے آتے ہیں کہ فطرت پلٹ کر انتقام لیتی ہے۔

بے پردہ معاشرے، آزاد محبت (شہوت رانی) کا تصور، نوخیز لڑکوں اور لڑکیوں کو جنسیات کی تعلیم دینا۔ تمام ماحول کا شہوت انگیز عناصر سے بھرا ہونا ــــــ اور اس کے بعد پھر یہ سمجھنا کہ کچھ پابندیاں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

نتیجے میں ہمارا مشرقی بازو، مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش میں تبدیل ہوگیا۔ اس سلسلے میں روس اور اسرائیل کی حمایت سے بھارت نے جو جارحانہ اقدام کیا اور مکتی باہنی اور مجیب باہنی نے بھارت کی فتح کے لیے راستے ہموار کیے، اس مسلم دشمن صورت حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے فوج اور الشمس اور البدر نے جو قربانیاں دیں، خدا ان کو قبول کرے اور پاکستان اور بنگلہ دیش کے مستقبل کو تابناک بنائے۔ عین دسمبر ہی میں ڈھاکہ میں اسلامی ووکیشنل سنٹر کے قیام کی اچھی خبر ملی۔ خدا مبارک کرے

چل سکتی ہیں، عقل کے بامِ بلند پر پہنچے ہوئے جدید انسان کی دانشورانہ حماقتوں میں سے ایک ہے۔

اس سلسلے میں امریکہ کو درپیش مسائل کی تفصیلات ملاحظہ ہوں:۔

کم عمر ماؤں کا مسئلہ امریکہ کے ارباب دانش کے خیال میں اخلاقی سے زیادہ معاشی اور سماجی ہے۔ چنانچہ قابلِ تشویش ان ماؤں کا کم عمر ہونا ہے نہ کہ بن بیاہا ہونا۔

ایک اندازے کے مطابق ہر سال دس لاکھ سے زیادہ کم سن لڑکیاں مائیں بن جاتی ہیں۔ ان میں تیس ہزار تو ایسی ہیں جن کی عمر پندرہ برس سے بھی کم ہے۔ ان دس لاکھ لڑکیوں میں سے اسّی فی صد بن بیاہی ہوتی ہیں۔

ماہرین کو خدشہ ہے کہ اگر یہی صورتِ حال برقرار رہی تو آئندہ چھ سالوں میں چودہ سالہ لڑکیوں کی ۴۰ فیصد تعداد کم از کم ایک مرتبہ ماں ضرور بن جائے گی۔

حال ہی میں ایک امریکی ریاست کے گورنر نے کم عمر ماؤں کے مسئلے پر مقننہ سے رجوع کیا ہے قانون ننّو فیصد اکثریت سے بنایا گیا۔ قانون کے مطابق نوجوان لڑکیوں کو ضبطِ تولید کے طریقے اختیار کرنے میں مدد دی جائے گی۔

شکاگو کا ایک سکول جہاں لڑکیوں کی ایک تہائی تعداد (ایک ہزار) بارور ہو چکی تھی، وہاں کی انتظامیہ نے مانع حمل ادویات مہیا کرنے کا ایک مرکز قائم کیا ہے۔ (پہلے اسکولوں کے ساتھ کینٹین وغیرہ ہوتی تھی، اب حمل سے بچانے کا دوائی مرکز بھی ہوا کرے گا۔)

۴۵ فیصد کم عمر اور بن بیاہی لڑکیاں حمل ساقط کرا لیتی ہیں، لیکن جو ایسا نہیں کرتیں، ان میں یہ شکایت عام ہے کہ انہیں شادی شدہ مائیں ہونے کے افتخار سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ لیکن بتدریج لڑکیوں میں قوتِ مزاحمت بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء سے پہلے ۳۵ ہزار ناجائز بچے دوسروں کو اپنانے کے لیے دے دیے جاتے تھے۔ اب صرف ۵ ہزار ایسی مائیں اپنے بچے دوسروں کو دیتی ہیں۔

شماریات کا مشہور امریکی ادارہ گٹ میچرز کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۰ء کے عشرے میں کم عمر لڑکیوں میں جنسی تعلق قائم کرنے کی شرح میں دو تہائی اضافہ ہوا ہے۔ ٹائم کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے جنسی انقلاب کالجوں سے سکولوں اور وہاں سے جونیئر ہائی اسکولوں اور گریڈ سکولوں

تک آ پہنچا ہے ۔

جان ہوپکنز کے تحقیقاتی ادارے کے ماہرین نے جو سروے کیے ہیں، ان کے مطابق ۱۹۸۲ء میں پندرہ برس سے کم عمر کی ۲۰ فیصد، سولہ برس کی ۳۲ فیصد اور سترہ سال کی ۴۳ فیصد لڑکیوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے جنسی تجربات کر لیے ہیں ۔

اسی ادارے کا کہنا ہے کہ اب لڑکیوں میں دوشیزگی اور کنوارپن قابل فخر بات نہیں ہے اب سہیلیوں میں جنسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بات باعث افتخار سمجھی جاتی ہے۔

امریکی ماہرین کو تشویش ہے کہ امریکی لڑکیوں میں جنسی شعور اور ضبط تولید کے طریقوں کی تعلیم سخت ناقص ہے ۔ اس کے مقابلے میں یورپ میں اس کا بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے ۔ حوالے کے طور پر وہ سویڈن کی مثال دیتے ہیں جہاں کم عمر لڑکیاں جنسی طور پر امریکی لڑکیوں سے زیادہ پرجوش اور آزاد منش ہیں لیکن مائیں بننے کی شرح وہاں بہت کم ہے، اس لئے کہ سویڈن کی حکومت نے اپنے ہاں لڑکیوں کو ضبط تولید کے طریقوں سے بہتر طور پر آشنا کیا ہے ۔

"گٹ میچر" کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ہالینڈ کے ارباب اختیار کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں کسی لڑکی کو آزاد جنسی روابط کی اجازت صرف اس صورت میں ملتی ہے جب وہ برتھ کنٹرول کے طریقوں پر عمل کرے ۔

بھارت کا شاہ بانو کیس

شاہ بانو مقدمہ میں بھارتی سپریم کورٹ نے مسلم پرسنل لاء کے خلاف جو فیصلہ دیا تھا اور جس کے تحت کسی بھی مطلقہ خاتون کو تا نکاح ثانی (یا نکاح نہ کرنے کی صورت میں تا حینِ حیات) سابق شوہر سے نان و نفقہ حاصل کرنے کا حق مل گیا تھا، وہ بعض متعصب ہندو جماعتوں مثلاً ستیہ شودھک منڈل وغیرہ کے لئے ایک ایسا ہتھیار بن گیا تھا جس کے ذریعے انہوں نے ملک میں اسلامی شریعت اور اسلامی اقدار کے خلاف مہم شروع کر دی تھی ۔ انگریزی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں کے بڑے بڑے اخبارات اس مہم کی ایک ماہرانہ انداز سے پشت پناہی کر رہے تھے ۔ ان حلقوں نے شاہ بانو کے اعزاز میں جگہ جگہ جلسے منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور یہ مسلم خاتون ہندوؤں کی مسلم دشمن سکیم کے نقشے میں ایک اہم

شخصیت بن گئیں۔ اندازہ اس سے کیجئے کہ دہلی کے ایک آریہ سماجی اخبار نے ۱۶ نومبر کی اشاعت کے اداریے میں لکھا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف جنوبی مسلمان انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ اس طوفان کے تھپیڑے کھانے والے "بین بین" قسم کے مسلمانوں نے تو اپنی اس اجتہادی فکر کا سہارا لیا کہ یہ فیصلہ شریعت کے خلاف نہیں ہے بلکہ بعض نے تو مثبت اور پر جوش اجتماعی حمایت کی۔

دوسری طرف یہ صورت پیدا ہوئی کہ مسلم خواتین کی انجمنوں نے بمبئی، بنگلور، دہلی، سری نگر، حیدرآباد اور دوسرے شہروں میں متعدد جلسے کیے۔ ان جلسوں میں مطالبہ کیا گیا کہ مسلم پرسنل لا میں یکساں سول کوڈ کے نام پر مداخلت نہ کی جائے۔ بمبئی میں مسلم ستیش شودک منڈل (M.S.M) کے زیر اہتمام شاہ بانو کے حق میں اور سپریم کورٹ کے فیصلے کی تائید میں اجتماع ہوا۔ اجتماع گاہ کے باہر سینکڑوں خواتین نے جمع ہو کر نعرے لگائے "صرف اسلام عورت کا محافظ ہے" اور "ہمیں قرآن کا قانون چاہیئے" اس مظاہرے کی قیادت M.S.M کے بانی دلوائی کی اہلیہ مہرالنساء دلوائی کر رہی تھیں۔ پٹنہ میں طلبہ نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ پولیس کی فائرنگ سے بیس طلبہ شدید زخمی اور سینکڑوں گرفتار ہوئے۔

اس ماحول میں، شاہ بانو کے ایمانی جذبات جس قدر متحرک ہوئے اور اس نے سپریم کورٹ میں درخواست دی کہ میں عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ شریعت کا فیصلہ (مسلم پرسنل لا کے مطابق) چاہتی ہوں۔ اندور کی ایک پریس کانفرنس کے سامنے شاہ بانو نے ایک بیان پڑھ کر سنایا اور سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ کسی دباؤ یا لالچ سے اقدام نہیں کر رہی ہیں۔

اب حالات کی تیسری کروٹ سامنے آئی ہے۔ عیار ہندو ذہن مسلمانوں کے خلاف اپنے معرکے میں آسانی سے شکست قبول نہیں کر سکتا۔ سو یہ دلچسپ کارروائی کی گئی کہ ٹیلیویژن پہ معاملے کو اس طرح لایا گیا کہ شاہ بانو سے الگ سوال جواب ہوئے اور ان کے سابق شوہر سے الگ۔ مکالمہ بار بار رہا۔ ایک طرف کے سوالات دوسری طرف اور ادھر کے ادھر اٹھا کر کسی نہ کسی طرح شاہ بانو سے کہلوا دیا گیا کہ میں نے درخواست اور بیان مسلمانوں کے دباؤ کی وجہ سے دیا ہے۔

اتنا بہرحال ثابت ہو گیا کہ بھارت کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت سول کوڈ کے خلاف ہے اور متعلقہ دستوری دفعہ کو بدلوانا چاہتی ہے۔ ایک تکلیف دہ واقعہ ان کے اندر حرکت، بیداری اور اتحاد پیدا کرنے کا موجب بن گیا ہے۔

قادیانیت دہشت پسندی کی راہ پر

جنوبی افریقہ کی عدالت میں آخری پیشی کے سلسلے میں جو اصحاب یہاں سے تشریف لے گئے تھے ان میں سے ایک نہایت ہی ذمہ دار شخصیت نے بالمشافہ مجھے چند ہفتے قبل بتایا تھا کہ مقامی مسلمانوں نے اس بنا پر عدالت کی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا ہے کہ فیصلہ دینے والا جج یہودی ہے اور یہودیوں کی مسلم دشمنی بڑی تاریخی حقیقت ہے نیز ہم کسی غیر مسلم کو یہ اختیار نہیں دے سکتے کہ اسلامی شریعت کے تحت مسلمان کی تعریف معین کرے۔ پاکستانی وفد کے بعض سرکردہ شرکاء نے بڑے محتاط طریق سے ایک اہم پرائیویٹ ملاقات کی سطح پر انتقال مقدمہ کا مسئلہ اٹھایا جس پر یہودی جج کا ردعمل یہ تھا کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کی نزاع میں مجھ سے بہتر جج کون ہو سکتا ہے۔ بہر حال مقامی مسلمانوں نے جس اندیشہ سے بائیکاٹ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ جنوبی افریقہ کی عدالت نے قادیانیوں کو مسلمانیت کا سرٹیفکیٹ دے کر مسلم امت کو مجبور کیا ہے کہ وہ مسجد سے قبرستان تک ان کو اپنے ساتھ جگہ دیں۔ اس فیصلے کو جنوبی افریقہ کے علاوہ اسرائیل سے نشر کیا گیا۔ ابھی معلوم نہیں کہ قادیانی گروہ جس کو بعض اہم خفیہ خدمات کی وجہ سے سپر پاورز کی سرپرستی اور یہودیوں کی پشت پناہی حاصل ہے اور کہاں کہاں کیا کیا فتنے اٹھائے گا۔ اس گروہ کی ذہنی ساخت یہی ہے کہ مسلمانوں کے سینوں پر مونگ دلی جائے۔

اِدھر تازہ توجہ طلب انکشافات نائیجیریا کے ممتاز سکالر اور عہدِ جدید کی تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم تفابلیوا کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ جب سے جنوبی افریقہ کی عدالت نے قادیانیوں کے حق میں فیصلہ دیا ہے انہوں نے پاکستان کے خلاف اپنی مہم تیز کر دی ہے۔ وہ ہر اس بین الاقوامی تنظیم اور حکومت سے تعاون کر رہے ہیں جو پاکستان کو تہ و بالا کرنے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انہیں ان سازشوں کا علم نائیجیریا اور برطانیہ کے بعض نومسلموں سے ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب کی معلومات یہ ہیں کہ قادیانی دہشت پسندی کو اپنا رہے ہیں انہوں نے نائیجیریا کے ایک ایسے باشندے کو قتل کر دیا ہے جس نے قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ علاوہ ازیں نائیجیریا میں مسلمانوں کی جو خون ریزی ہوئی تھی اس میں اسرائیلیوں اور قادیانیوں

کی شرپسندیاں کام کر رہی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں بے اطمینانی پھیلانے اور لاقانونیت پیدا کرنے کے لئے قادیانیوں نے جرائم پیشہ افراد کو خرید لیا ہے۔ ان کے خیال میں پاکستان میں ہتھوڑا گروپ کے تخریبی مظالم میں ان کا ہاتھ ہے۔ ان کی تنظیم حسن بن صباح کے نمونے پر کام کرتی ہے اور اسی تنظیم نے برطانیہ میں بریلویوں، دیوبندیوں اور اہل حدیثوں کو آپس میں لڑایا ہے۔

نیل کے کنارے

قاہرہ کی عباسیہ مسجد ان دنوں نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ گزشتہ دنوں جب اس مسجد سے حافظ سلامہ کی پکار پر حکومت کے خلاف مظاہروں کا آغاز ہوا تو حسنی مبارک کی حکومت نے نمازیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد مسجد کے دروازے نمازیوں پر بند کر دیئے گئے۔

اس قسم کے مختلف واقعات مصر میں اسلامی گروہوں کے تیزی سے پھیلتے ہوئے اثرات اور نفاذ اسلام کے مطالبات میں پیدا ہونے والی شدت کے غماز ہیں۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ صوبہ کفرالشیخ کے فودا نامی قصبے میں پولیس نے ایک شخص پر اتنا تشدد کیا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔ قصبے کے لوگوں نے مشتعل ہو کر پولیس سٹیشن کو جلا دیا اور مقامی پولیس افسر کا گھر تمام اثاثے سمیت جلا کر راکھ کر دیا۔

انیس برس پہلے جب ناصر نے اخوان المسلمین کے گل سر سبد سید قطبؒ اور ان کے باصفا ساتھیوں کو تعذیب و تشدد کا نشانہ بنا کر شہید کر ڈالا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ظلم و جبر کا منہ زور طوفان اسلامی تحریک کے سفینے کو پاش پاش کر دے گا اور آئندہ کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شہیدوں کے لہو نے حریت کے چراغوں کی لو اور بڑھا دی ہے۔ اب اسلام کا نام لینے کے لئے اخوان تنہا نہیں ہیں، بلکہ متعدد دوسرے اسلامی گروپ ابھر آئے ہیں۔ نئی قوتیں اخوان کے مسلک انضباط و اعتدال سے آگے بڑھ کر ایسی شدت جذبات کا مظاہرہ کر رہی ہیں کہ وہ باطل قوتوں کو للکارنے میں اخوان کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ خود اخوان کی صفوں کے اندر

ریڈیکل نوجوانوں کا وسیع اور مضبوط جوشیلا گروپ موجود ہے جو اپنے بزرگوں کی حکیمانہ پالیسی سے زیادہ جوشیلی رفتار رکھتا ہے۔

مصری معاشرے میں خالص اسلامی اثرات اتنے تیزی سے نفوذ کر رہے ہیں کہ کل تک جہاں غیر ملکی ثقافت حکمران تھی، وہاں یہ عالم ہے کہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں کی لڑکیاں اسلامی لباس کو اپنا چکی ہیں اور اب گلیوں اور بازاروں میں اس لباس کو بطور فیشن اختیار کیا جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ جو کل تک غیر اسلامی افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے وقف تھے، اعتدال کی راہ پر آگئے ہیں، چنانچہ نماز کا وقت آتا ہے تو نشریات رک جاتی ہیں۔ اگر اس وقت ریڈیو اور ٹیلی وژن سے خبریں سنائی جا رہی ہوں، تو خبریں ادھوری چھوڑ دی جاتی ہیں، چاہے کوئی فقرہ نامکمل ہی کیوں نہ رہ جائے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے دینی مباحث پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے۔ بلکہ دینی و سیاسی موضوعات پر سوالات اور اعتراضات بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ اسلامی شریعت کے مکمل نفاذ کی بحثیں ہوتی ہیں اور خوش آئند بات یہ ہے کہ بحث کرنے والوں کی بڑی تعداد ان کی ہوتی ہے جو اسلامی افکار اور اسلام پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

مصر کا سب سے بڑا مسئلہ اقتصادی خرابیٔ احوال ہے جس کی وجہ سے حکومت بڑی آزمائش میں ہے عوام کا نقطۂ نظر معاشی بگاڑ کے متعلق یہ ہے کہ یہ سارے حالات اسلام سے انحراف کی سزا ہیں ان حالات سے نجات کی واحد راہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو خلوص سے رائج کیا جائے۔ اس دوگانہ دباؤ سے خدا کرے کہ اچھے نتائج برآمد ہوں۔

ترکیہ میں حالات کا مدّ و جزر

ترکی سے ایک اچھی خبر ہے کہ پروفیسر نجم الدین اربکان اور ان کی ملی سلامت پارٹی کے خلاف آزمائشوں کا دور عارضی طور پر سہی ختم ہو چکا ہے۔ پروفیسر اربکان اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مقدمات اور سزائیں سنانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ نے ان مقدمات کو کم وزن قرار دے کر ہائی کورٹ کو بھجوا دیا۔ ہائی کورٹ نے ایک برس تک سماعت کی اور بالآخر فیصلہ دیا کہ شہادتیں کمزور ہیں لہٰذا ملزمان کو بے گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس فیصلے میں ایک استثنیٰ

بھی رکھا گیا۔ اربکان کے قریبی ساتھی اور سابق وزیر جناب سرکت کازان (SERKAT KAZAN) کو بری نہیں کیا گیا۔ وہ ابھی تک تخریب کاری کے الزامات کا سامنا کر رہے ہیں۔

دوسری جانب یہ افسوسناک خبر بھی ملی ہے کہ اسلام کے تعلق کے الزام میں تعلیم اور نوجوانوں کے اُمور کے وزیر وہبی دیگرلر (VEHBI DIGERLER) کو اس الزام کے تحت برطرف کر دیا گیا ہے کہ وہ اسلام پسند ہیں۔ خصوصی الزام یہ لگایا گیا ہے کہ اپنے دورِ وزارت میں وہبی صاحب نے نصاب کی ۱۹ ایسی کتابیں دوبارہ لکھوائیں جن میں اسلام کے بارے میں ناقص یا غلط مواد تھا۔ جناب وہبی پر یہ الزام بھی عاید کیا گیا ہے کہ انہوں نے ملی سلامت پارٹی کے ممبروں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔

ترکیہ سے دوسری رنجیدہ اطلاع یہ ہے کہ سر ڈھانپنے کی حامی پردہ پسند طالبات نے جو تحریک شروع کر رکھی تھی۔ اس کا تازہ ترین مرحلہ یہ ہے کہ عدالتِ عالیہ نے اُن کے خلاف اور لادینیت پسند حکومت کے حق میں یہ فیصلہ دے دیا جس میں کہا گیا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طالبات کو درس گاہوں میں ننگے سر آنے پر مجبور کرے۔ یہ بھی ملت اسلامیہ سے وابستہ ایک قوم کی "اسلامی شان" ہے۔ مگر بحمداللہ کہ عقیدوں اور جذبات کا تموج جاری ہے۔

خرطوم یونیورسٹی میں اسلامی طلبہ کی کامیابی

خرطوم یونیورسٹی میں اسلامی نقطۂ نظر کے علمبرداروں اور ان کے حامیوں نے یونین کے انتخابات میں تمام کی تمام سیٹوں پر کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اسلامی جمعیت طلبہ کا مقابلہ پانچ پانچ، سات سات جتھے مل کر کرتے ہیں، خرطوم میں بھی ۷ تنظیموں نے متحدہ مقابلہ کیا۔

۱۔ الانصار (پیروانِ صادق المہدی) ۲۔ کمیونسٹ ۳۔ ڈیموکریٹک یونینسٹس ۴۔ انڈی پنڈنٹ سٹوڈنٹس کانفرنس ۵۔ بعثی طلبہ کا محاذ پیکار ۶۔ دی افریقن نیشنل فرنٹ ۷۔ پیروان ناصر۔ ان گروہوں کے متحدہ محاذ کا نام تھا "تجمع"۔

خرطوم یونیورسٹی کی طلبہ یونین ملک میں سیاسی اہمیت رکھتی ہے اور اس کے واسطے سے قومی مزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس پر تمام ملکی گروہوں کی کڑی نظر ہے اور ہر جانب سے قدم قدم

پر مقابلہ کیا جاتا ہے۔

اس انتخاب کی روشنی میں سوڈان میں اسلامی اور لادینی رجحانات کی کشمکش کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ایک اور اہم خبر یہ ہے کہ عبوری دور کی فوجی کونسل نے اس سفارش کو (جو غالباً حکومت کی طرف سے کی گئی ہوگی) نامنظور کر دیا ہے جس کا منشا یہ تھا کہ موجودہ قانون " الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" کو بدل کر "اچھائی کو قائم کرنا اور خرابی کو مٹانا" کے الفاظ میں درج کیا جائے۔ دوسری صورت میں یہ فائدہ ہے کہ قرآنی اور دینی اصطلاحات سے قانون آزاد ہو کر ایک عامیانہ سا پیرایہ اختیار کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس کی من مانی تعبیریں کی جاسکتی ہیں۔ یہی رجحان تمام مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور سرکاری اداروں میں پایا جاتا ہے مگر آفرین ہے سوڈان کی فوجی کونسل کو جس نے قانون کو شرعی اصطلاحات سے آزاد کر کے عمومی پیرایہ دینے سے انکار کر دیا۔

روسی قیادت کی شراب کے خلاف جنگ

کہتے ہیں مشہور روسی زار ولادیمیر اول نے جب مسلم علماء سے مطالبہ کیا کہ اگر روسیوں کو شراب کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ علماء کے انکار پر زار نے آرتھوڈکس چرچ سے رجوع کیا۔ پوپ کے نمائندوں نے "فراخدلی" کا ثبوت دیتے ہوئے ام الخبائث کو روسیوں کے لیے مباح کر دیا اور روسیوں نے اسلام کے بجائے عیسائیت اختیار کر لی۔ یہ واقعہ دسویں صدی عیسوی کا ہے۔

بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے شراب خانہ خراب نے روسی قوم سے کیا کیا کچھ چھین لیا ہے۔ اخلاق انسانیت، انصاف اور مذہبی غیرت، سب کچھ۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ روسی صنعتوں کا پیداوار اور معیار دن بدن گر رہا ہے۔ اخلاقی جرائم کی شرح روز افزوں ہے، آگ لگنے کے چالیس فیصد واقعات شرابی روسیوں کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ پچاس فیصد طلاقیں زیادہ شراب پینے کے نتیجے میں دی جاتی ہیں۔ اور ٹریفک کے اکثر حادثات شرابی ڈرائیوروں کے باعث ہوتے ہیں۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ روس کے قائد گورباچوف نے اس صورتِ حال کو تباہ کن قرار دیا اور قوم کو شراب کے مہلک اثرات سے بچانے کے لیے متعدد اقدامات کا فیصلہ کیا ہے۔ ان اقدامات میں شراب پینے کی کم از کم عمر کی حد ۱۸ سے بڑھا کر ۲۱ برس کر دی گئی ہے۔ شراب پینے اور پلانے

کے لیے تین گھنٹے مقرر کر دیئے گئے۔ پارکوں اور پبلک مقامات پر شراب پینا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ روس کی مشہور شراب "ووڈکا" کی پیداوار محدود کر دی گئی ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ روس کی مجموعی قومی آمدنی کا دس فیصد (جو ۵۴ ارب ڈالر کے برابر ہے) شراب کی فروخت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس آمدنی کے نتیجے میں مختلف صنعتوں میں ناقص کارکردگی کے جو نقصانات ہو رہے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ گورباچوف نے اگست میں اعلان کیا کہ آئندہ ان کی ترجیحات میں شراب نوشی کی وبا کے خلاف جدوجہد بھی شامل ہوگی۔

برطانیہ سے دو خبریں

برطانیہ میں مسلمانوں کو یہ حق مل گیا ہے کہ وہ اگر اپنے بچوں کے لیے الگ سکول کھولیں تو انہیں گورنمنٹ سے ایسے اداروں کے سالانہ مصارف کا اچھا خاصا حصہ گرانٹ کے طور پر ملے گا۔

ہیتھرو ایرپورٹ (لندن) پر پہلی بار مسجد تعمیر ہو رہی ہے "تاکہ مسلمان مسافر اور ان کو روانہ کرنے والے یا استقبال کرنے والے مسلم اعزہ و احباب وہاں نماز ادا کر سکیں۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)

عباسی دور میں فروغِ علوم

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

خلافتِ راشدہ کا اختتام سنہ ۴۰ھ میں ہوا۔ اس کے بعد بنو اُمیہ کی حکومت آئی اور بنو امیہ کی حکومت کا آغاز سنہ ۴۱ھ میں ہوا۔ اور سنہ ۱۳۲ھ میں یہ حکومت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد بنو عباس کی حکومت کا آغاز ہوا۔ اور سنہ ۶۵۶ھ تک یہ حکومت قائم رہی۔ عہد بنو عباس متعدد پہلوؤں سے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک نمایاں باب ہے اور ہماری مسلمان حکومتوں میں مذہبی و سیاسی اہمیت، قدرت کی وسعت، تہذیب و تمدن کے فروغ اور علوم و فنون کی ترقی و ترویج کے اعتبار سے خلافتِ بنو عباسیہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور جو شان و شوکت اور اہمیت اس کو حاصل ہے وہ کسی اور حکومت کے حصے میں نہیں آئی اور جب تک عباسی حکومت قائم رہی۔ اُس وقت تک اسلامی حکومتوں میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

عباسی دور کی اہمیت علمی لحاظ سے

اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کی تدوین کا آغاز اسی علم دوست حکومت کے زمانہ میں ہوا اور اسی کے عہد میں اَوجِ کمال کو پہنچا۔ اموی دور میں تفسیر، حدیث، سیرت و مغازی اور تاریخ و طب پر کام ہوا۔ مگر ان علوم میں وسعت اور ترقی عباسی عہد ہی کی رہینِ منّت ہے۔ ان کا پایۂ تخت بغداد تھا۔ جس کی حیثیت "مدینۃ العلم" کی تھی۔ جہاں ہر فن کے صاحبِ کمال موجود تھے اور جہاں سے ساری دُنیائے اسلام کے تشنگانِ علم سیراب ہوتے تھے۔

اس طویل دور میں تمام اسلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ، اسماء الرجال، سیرت، مغازی، لغت اور عربی ادب پر بہت علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ ان علوم کے علاوہ فلسفہ، معانی، علم الکلام، منطق، معقول و منقول جیسے خشک موضوعات پر بھی علمائے اسلام نے ایسی شاندار اور عدیم النظیر کتابیں تصنیف کیں کہ وہ ہماری تاریخ کا ایک حصہ بن گئیں اور مذہبیات پر جتنا علمی و تحقیقی کام عباسی دور میں ہوا ہے۔ وہ کسی اور دور میں نہیں ہوا۔

علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) عباسی دور کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

"یہ دور اسلامی شان و شوکت اور اس کی سطوت و عروج کا دور ہے، جس میں علوم و فنون کا دور دورہ ہے۔ ایک طرف جہاد کی تیاریاں ہیں، دوسری طرف علمائے کرام اور محدثین عظام احادیث کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔ بدعتیں مٹ چکی ہیں۔ حق کا غلغلہ ہر طرف بلند ہے، عابدوں اور زاہدوں کی کثرت ہے لوگ امن و امان اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسلامی فوجیں فتوحات کرتی بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کے قدم اقصائے مغرب، سرزمین اندلس اور چین کی سرحدوں تک، جو ہندوستان کے بعض حصوں سے متصل ہیں، پہنچ گئے ہیں۔ دوسری طرف ہر طبقہ ان کی زد میں ہے۔ اور یہ سب نتیجہ ہے اس عہد کے خلیفہ ابوجعفر منصور کے تدبر کا جو اگرچہ ظالم تھا، لیکن کمالِ عقل و دانش میں، شجاعت و تہور میں، بیدار مغزی میں اور علم و ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔[1]

منصور کا دور

علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق ابوجعفر منصور اگرچہ ظالم تھا، لیکن علم و ادب، عقل و دانش اور بیدار مغزی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کا عہدِ حکومت ۱۴۳ھ سے ۱۵۸ھ تک ہے۔ اس پندرہ سالہ عہدِ حکومت میں تفسیر، حدیث، فقہ اور مغازی و سیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اموی دور میں علمائے کرام کی علمی سعی و کاوش صرف مذہبی علوم کی درس و تدریس اور نقل و روایت تک محدود رہی۔ تالیف و تصنیف اور دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا

[1] تذکرۃ الحفاظ۔

مذاق منصور کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اسلامی علوم میں سے تفسیر، حدیث، فقہ اور مغازی و سیرت پر تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) نے حدیث کی مشہور کتاب موطا مکمل کی۔ امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) نے فقہ مدوّن کی، محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) نے مغازی و سیرت پر "کتاب السیرۃ والمبتدأ والمغازی" اور "کتاب الخلفا" لکھیں[۳]، لیکن یہ کتابیں ناپید ہوگئیں البتہ سیرۃ ابن ہشام جو اب تک موجود ہے اور چھپ چکی ہے، زیادہ تر محمد بن اسحاق کی روایات پر مشتمل ہے اور سیرت کا نہایت معتبر اور قدیم ماخذ ہے۔ اسی دور کے ایک عالم معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) نے کتاب المغازی لکھی[۱]
ان کے علاوہ ابن جریج (م ۱۵۰ھ) نے مکہ معظمہ میں امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) نے شام میں ابن ابی عروہ (م ۱۵۳ھ) اور حماد بن سلمہ (م ۱۵۹ھ) نے بصرہ میں تفسیر و حدیث جیسے علوم پر قلم اُٹھایا۔ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں امام ابو یوسف، ابن مبارک اور ابن وہب جیسے محدثین کرام نے اپنے اپنے مقامات پر حدیث و فقہ کی تدوین و ترتیب کی جانب توجہ کی۔ اس کے علاوہ علمائے کرام نے ادب اور تاریخ پر بھی علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کیں[۲]

منصور کو دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا بڑا ذوق تھا۔ فلسفہ اور نجوم سے دلچسپی تھی۔ فقہ پر بھی کافی عبور تھا۔ اس کے عہد میں منطق، فلسفہ اور فارسی کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں ہوئے مسعودی نے مروج الذہب میں منصور کے عہد میں جو تراجم ہوئے، ان کی تفصیل لکھی ہے۔

مہدی کا دور منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اس کا عہدِ حکومت ۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ ہے۔ مہدی نے اپنے گیارہ سالہ دور میں حکومت میں بعض مفید علمی خدمات سرانجام دیں۔ وضعِ حدیث کے فتنہ کو سختی سے کچل دیا۔ الحاد و زندقہ کے تدارک کے لیے حکماء کو مناظرانہ کتابوں کی تالیف کا حکم دیا جس سے علمِ کلام کی بنیاد پڑی۔ اس سے اس عظیم الشان فن کی ایجاد کا سہرا جو مسلمانوں کے لیے سرمایۂ فخر ہے،

---

۱ فہرست ابن ندیم ص ۱۳۶

۲ تاریخ الخلفا، سیوطی ص ۲۶۳

۳ محمد بن اسحٰق کی کتاب سیرۃ کا ایک حصہ برآمد ہو کر طبع ہو چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ نقوش کے سیرت نمبر میں شامل ہے۔

مہدی کے سر ہے۔ علم کلام کے علاوہ ادب پر بھی کتابیں اس کے عہد میں لکھی گئیں [1]

ہارون الرشید کا دور مہدی کے بعد ہارون الرشید حکمران بنا۔ اس کا عہد ۱۷۰ھ سے شروع ہوکر ۱۹۳ھ میں ختم ہوتا ہے۔ گویا اس کے عہدِ حکومت کی مدت ۲۳ سال بنتی ہے۔ عہدِ ہارون بھی علمی سرپرستی میں دورہائے ماسبق سے پیچھے نہیں رہا۔ ہارون الرشید علمائے کرام کا بڑا قدردان تھا۔ اور اس کی علماء نوازی اور علم پروری کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔ علم وفن کا آغاز ابوجعفر منصور نے کیا تھا اور آگے ہارون الرشید نے اس کو بہت وسعت اور ترقی دی۔ "بیت الحکمۃ" کے نام سے تصنیف وتالیف وتراجم کا ایک ادارہ قائم کیا۔ اور علماء کو بھاری تنخواہیں دے کر یونانی، فارسی اور دوسری متعدد زبانوں سے مفید اور اہم علمی وتحقیقی کتابوں کے تراجم کرائے [2]

عہد ہارون کے علمائے کرام کی فہرست میں امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) اور امام لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) اور امام موسیٰ کاظم جیسے علم وفضل کے درخشندہ ستارے موجود تھے۔

مامون الرشید کا دور ہارون الرشید کے بعد امین بن ہارون تخت نشین ہوا اور ۱۹۸ھ میں اس کی حکومت ختم ہوگئی۔ ۱۹۸ھ میں مامون الرشید خلیفہ ہوا۔ اس کا عہدِ حکومت ۲۱۸ھ تک ہے۔ مامون الرشید نے ۲۰ سال تک حکومت کی۔ مامون الرشید تدبیر وسیاست، عقل و دانش، فہم و فراست، فضل وکمال، عدل وانصاف، شجاعت وشہامت، فیاضی و دریا دلی، حلم وعفو، سادگی وتواضع جملہ اوصاف میں کامل تھا۔ اس کی تعلیم وتربیت بڑے اہتمام سے ہوئی تھی۔ ہر فن میں اس نے کمال حاصل کیا تھا۔ عباسی خلفاء کی تاریخ میں ایسا صاحبِ علم خلیفہ کوئی نہیں ہوا قرآن، تفسیر، فقہ، فرائض، ادب، شاعری، طب، فلسفہ، نجوم، ریاضی ہر فن میں کامل تھا۔ ان کمالات کے ساتھ وہ علم دوست اور علم پرور تھا۔ ابوجعفر منصور نے جس کام کا آغاز کیا تھا، مامون الرشید نے اس کی تکمیل کی۔ اس کے عہدِ حکومت میں بیشتر یونانی کتابوں کے تراجم ہوئے

[1] طبری جلد ۱ ص ۵۳۳

[2] اخبار الحکماء، ص ۱۶۹، طبقات الاطباء جلد ۱ ص ۱۷۵

اس کے عہد میں بغداد واقعی مدینۃ العلم بن گیا۔[1]

معتصم، واثق، متوکل مامون الرشید کے بعد معتصم اور معتصم کے بعد واثق اور واثق کے بعد متوکل بن معتصم خلیفہ ہوا۔ متوکل کا عہدِ خلافت ۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ تک ہے۔ اس کے عہدِ حکومت کی میعاد ۱۲ سال ہے۔ متوکل عقیدہ میں نہایت راسخ تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کا سب سے بڑا علمی کارنامہ سنتِ نبوی کا احیاء اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت ہے۔ اسے امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کے ساتھ بہت عقیدت تھی۔ اسی عقیدت کی بنا پر اس کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی شیفتگی تھی۔ چنانچہ اس نے سنتِ نبوی کے احیاء میں بہت کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوا۔ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ: "متوکل نے اپنے دور میں سنتِ نبوی کا احیاء کیا اور لوگوں کو غیر مسنون طریقوں سے ہٹا کر سنت کی صراطِ مستقیم پر لگایا۔"[2]

احادیثِ نبوی کی اشاعت میں بھی متوکل نے اہم کردار ادا کیا۔ محدثین کرام کی بہت قدر کرتا تھا، اور آئے دن ان کو انعامات سے نوازتا تھا۔ محدث ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) نے احادیث کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو متوکل نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔[3]

عہدِ بنی عباس میں تدوینِ حدیث

حدیث کی تدوین کا کام بنو امیہ کے دور میں شروع ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) نے اس سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں سر انجام دیئے وہ ہماری تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز اس طرف توجہ نہ کرتے تو علمِ حدیث کا یہ ذخیرہ وجود میں نہ آتا۔ آپ نے تمام صوبوں کے گورنروں کے نام یہ فرمان بھیجا تھا کہ احادیثِ نبویہ کو تلاش کر کے ان کو محفوظ کیا جائے

[1] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۴۸، ۴۹۔

[2] تاریخ بغداد جلد ۷ ص ۱۷۰، ۱۷۲۔

[3] تاریخ الخلفاء للسیوطی ۲۵۲۔

جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ) نے جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث کا حکم دیا۔ اور ہم نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کیے۔ اور انہوں نے ایک ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی، بھیجا"

دورِ عباسیہ میں حدیث کی تدوین اور اس کی ترقی و اشاعت کے سلسلے میں جو کام ہوا، اس کے متعلق علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

"محدثین کے طبقہ اول کے زمانہ میں بنو امیہ کے ہاتھوں سے اقتدار نکل کر بنو عباس کے قبضے میں پہنچ گیا۔ یہ تبدیلی اپنے ساتھ خونریزیاں لے کر آئی۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ عراق، خراسان، جزیرہ اور شام میں بے شمار علما قتل کر دیئے گئے۔ اور عباسی لشکر جو کچھ ظلم و ستم کر سکتا تھا وہ اس نے کیا[1]

عباسی دور میں کئی ایک نئے فرقے پیدا ہو گئے۔ مثلاً فرقہ معتزلہ اور فرقہ قدریہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کئی ایک نئے مسائل اٹھائے گئے۔ مثلاً مسئلہ خلقِ قرآن، صفاتِ الٰہی کا انکار وغیرہ چنانچہ ان تمام باطل عقائد اور فتنوں کا سدباب کرنے کے لیے علمائے حق نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو آج تک جگمگا رہے ہیں۔ عباسی دور ہی میں حدیث کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ اصول و فروع دین اور فقہ اسلامی کی تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز ہوا۔

بنو عباس کی حکومت ۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ ہے۔ دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری کے نصف تک۔ ان پانچ صدیوں میں تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں محدثین کرام نے جو سعی و کاوش کی۔ اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

دوسری صدی ہجری

دوسری صدی ہجری میں محدثین کرام کی تعداد خاصی ہے، مگر یہاں صرف چند ایسے محدثین کرام کا ذکر کیا جاتا ہے جو خاص شہرت کے مالک ہیں۔ ان حضرات میں حضرت امام عبدالرحمٰن بن

[1] تذکرۃ الحفاظ۔

عمرو اوزاعی (م ۱۵۷ھ) حضرت امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) جنہوں نے حدیث کی سب سے پہلی کتاب "موطا" مرتب کی، حضرت امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) حضرت امام عبدالملک بن جریج (م ۱۵۱ھ) اور حضرت امام لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

تیسری صدی ہجری

تدوین حدیث کے سلسلہ میں تیسری صدی ہجری بہت اہم ہے۔ اور اس صدی کو یہ شرف حاصل ہے کہ صحاح ستہ کے پانچ محدثین و مؤلفین اس صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کی تالیفات و مدونات تیسری صدی ہجری میں محسوب ہیں۔ بعض اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ امام محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) صاحب صحیح البخاری۔

۲۔ امام مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ) صاحب صحیح مسلم۔

۳۔ امام محمد بن یزید بن ماجہ (م ۲۷۳ھ) صاحب سنن ابن ماجہ۔

۴۔ امام داؤد سجستانی (م ۲۷۵ھ) صاحب سنن ابوداؤد۔

۵۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) صاحب جامع الترمذی۔ یہ سارے ائمہ حدیث اسی تیسری صدی سے متعلق ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اور شخصیتیں بھی ہیں جن کے آثار اور مجموعہائے حدیث آج بھی اپنے حسن ترتیب اور طرز تالیف کے لحاظ سے معتبر تصور کیے جاتے ہیں اور ان کی تصنیفات جو مسانید کے نام سے مشہور ہیں حرف آخر تسلیم کی جاتی ہیں مثلاً:

ابو داؤد طیالیسی (م ۲۰۴ھ) صاحب مسند ابوداؤد طیالسی، عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ) صاحب مصنف عبدالرزاق۔ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (م ۲۱۹ھ) صاحب مسند حمیدی امام ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) صاحب مصنف ابن ابی شیبہ، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) صاحب مسند، امام دارمی (م ۲۵۵ھ) صاحب مسند، امام ابوبکر بزار (م ۲۹۴ھ) صاحب مسند، امام محمد بن نصر مروزی (م ۲۹۴ھ) صاحب مسند، اور امام ابومحمد عبداللہ بن جارود صاحب المنتقیٰ خاص شہرت کے مالک ہیں۔

چوتھی صدی ہجری

چوتھی صدی ہجری میں تدوین حدیث پر خاصا کام ہوا ہے اور اس صدی کے جو معروف و مشہور محدثین کرام ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:-

امام احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ) صاحب سنن نسائی۔

امام ابویعلیٰ موصلی (م ۳۰۷ھ) صاحب مسند ابویعلیٰ۔

امام احمد بن اسحاق خزیمہ (م ۳۱۱ھ) صاحب صحیح ابن خزیمہ۔

امام ابوعوانہ اسفرائنی (م ۳۱۶ھ) صاحب مسند ابوعوانہ

امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) صاحب مشکل الآثار۔

امام ابن حبان (م ۳۵۴ھ) صاحب صحیح ابن حبان۔

امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) صاحب معجم کبیر و اوسط و صغیر۔

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)

امام دارقطنی (م ۳۸۵ھ) صاحب سنن دارقطنی۔

امام ابوسلیمان احمد خطابی (م ۳۸۸ھ) صاحب معالم السنن۔ یہ تمام ائمہ علم حدیث میں خاص شہرت کے مالک ہیں اور تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں ان کی سعی و کاوش قابلِ قدر رہی ہے، تذکرہ نگاروں نے ان کی اس سعی و کاوش کو قابلِ تعریف و تحسین کہا ہے۔

پانچویں صدی ہجری پانچویں صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں محدثین کرام نے جو تصنیفی کارنامے سرانجام دیئے۔ ان میں چند مشہور محدثین کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امام ابوعبد حاکم (م ۴۰۵ھ) صاحب المستدرک۔

امام ابوبکر مردویہ (م ۴۱۰ھ)

امام ابونعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ)

امام احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) صاحب سنن بیہقی۔

امام احمد بن محمد البرقانی (م ۴۲۵ھ)

امام ابوبکر خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

امام ابوعبداللہ حمیدی (م ۴۸۸ھ) صاحب کتاب الجمع بین الصحیحین یہ تمام خاص شہرت کے مالک ہیں:

چھٹی صدی ہجری چھٹی صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کے لیے جن محدثین کرام نے سعی و کاوش کی، ان میں سرفہرست اصحاب میں سے چند ایک یہ ہیں:

امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۹ھ) صاحب مصابیح السنۃ۔

قاضی عیاض (م ۵۴۳ھ)۔

امام ابوالقاسم علی بن عساکر (م ۵۷۱ھ)۔

امام عبدالرحمٰن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

ساتویں صدی ہجری | ساتویں صدی ہجری کا نصف عباسی دور کی آخری صدی ہے۔ ۶۵۶ھ میں عباسی حکومت کا اقتدار ختم ہوگیا۔ اس لیے ۶۵۶ھ تک جن محدثین کرام نے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں سعی و کاوش کی ان میں امام عبدالرحمٰن الحرانی (م ۶۴۳ھ)، امام محمد بن عبدالواحد مقدسی (م ۶۴۳ھ) اور امام عبدالعظیم منذری (م ۶۵۶ھ) صاحب الترغیب والترہیب قابلِ ذکر ہیں اور ان کی تالیفات ہمارے لیے سرمایہ صد افتخار ہیں۔

(باقی)

الدُّعا

جناب عبدالرشید ارشد۔ ریاض سعودی عرب

(۳)

قبولیت دعا کے اوقات

اب ہم آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرامین کی روشنی میں قبولیتِ دُعا کے بعض اوقات اور بعض مقامات بتائیں گے کہ رحمۃ للعالمین کا کوئی فرمان حکمت و مصلحت اور نتائج سے خالی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اُن لوگوں کا بھی ذکر کریں گے جن کی دُعائیں بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد قبول ہوتی ہیں۔

اوقاتِ دعا

۱ — ہر فرض نماز کے بعد[۱] اور ہر فرض نماز سے پہلے۔ اذان اور تکبیر کے درمیانی وقفے میں یعنی اذان کی دُعا پڑھنے کے بعد۔

۲ — جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات میں۔

---

[۱] عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اَخَذَ بِیَدِہٖ وَقَالَ یَا مُعَاذُ وَاللهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ ثُمَّ قَالَ اُوْصِیْكَ لَا تَدَعَنَّ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوۃٍ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (ابوداؤد و نسائی بحوالہ ریاض الصالحین) حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا اے معاذ مجھے تم سے محبت ہے، پھر فرمایا اے معاذ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں دیکھو ہر نماز کے بعد یہ دُعا ضرور کیا کرنا۔ (ترجمہ دعا) اے اللہ تو میری مدد فرما اپنی یاد میں، اپنے شکر میں اور حسنِ عبادت میں۔

۳ — ہر رات کے تیسرے پہر، سحری سے فجر کی اذان تک، اگرچہ بعض روایات سے پہلا تہائی حصّہ اور مکمل رات بھی ثابت ہے۔

۴ — رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں، خصوصاً لیلۃ القدر میں۔

۵ — جمعہ کا مکمل دن خصوصاً دونوں خطبوں کے درمیانی وقفہ میں۔

۶ — دورانِ سفر، آغاز سے انجام تک کسی بھی وقت۔

۷ — میدانِ جہاد میں جب گھمسان کا رن ہو۔

۸ — تلاوتِ قرآن پاک کے بعد۔

۹ — زمزم کا پانی پینے کے دوران (دل میں کی گئی دعا) اور بعد میں بھی۔

۱۰ — بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعا۔

۱۱ — بارش کے دوران میں۔

۱۲ — دینی مجالس کے اختتام پر، خصوصاً افطار کے وقت کی اجتماعی دعا۔

۱۳ — جب کسی پر ظلم ہو رہا ہو، اُس لمحے مظلوم کی دعا۔

قبولیتِ دعا کے مقامات حسبِ ذیل مقامات پر کی جانے والی دعائیں زیادہ مستجاب ہوتی ہیں۔

۱ — بیت اللہ کے گرد طواف کے دوران، مطاف میں ہر جگہ بشمول چاہ زمزم۔

۲ — مقامِ ابراہیم، ملتزم (کعبہ کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان کی جگہ)، حطیم (کعبہ کے ساتھ متصل نیم دائرے جیسی جگہ جو کعبہ ہی کا حصّہ ہے) اور میزابِ رحمت (بیت اللہ کی چھت سے پانی گرنے کی جگہ) کے ٹھیک نیچے۔

۳ — کوہِ صفا اور کوہِ مروہ پر اور اُن کے درمیان سعی کرتے ہوئے۔

۴ — ایامِ حج میں تینوں جمروں پر (جہاں شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں)۔

۵ — منیٰ میں قیام کے دوران، اسی طرح مزدلفہ میں رات کے پڑاؤ کے دوران میں۔

۶ — میدانِ عرفات، بشمول جبلِ رحمت، ۹ ذوالحجہ کا سارا دن (حج کے روز)۔

۷ — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے قریب (بشرطیکہ مانگی اللہ ہی سے جائے)

جن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے مندرجہ ذیل میں سے وہ لوگ جن کے قول و فعل میں یک رنگی ہو اور وہ اُن میں

سے نہ ہوں جو نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہیں اور جن کی عملی زندگی ہدایت کی ضد ہو تو ایسے لوگوں کی دُعا جلد قبول ہوتی ہے۔

ا۔ مظلوم، مصیبت زدہ، مجبور، لاچار اور بے بس لوگ، خواہ وہ کافر ہی ہوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مظلوم کی فریاد اور ربِ کعبہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ مفہوم)۔

۲۔ والدین کی دُعا اولاد کے حق میں۔

۳۔ امامِ عادل کی دُعا، رعایا کے حق میں، (اگر کوئی حاکم سرکاری سرپرستی میں قوم کو لہو و لعب فراہم کرے اور قوم کے لیے خیر و برکت بھی مانگے تو یہ کھلا نفاق ہوگا)۔

۴۔ مسافر کی دُعا، دورانِ سفر، اپنے اور دوسروں کے حق میں (بشرطیکہ سفر کسی پسندیدہ مقصد کے لیے ہو)

۵۔ روزہ دار کی دُعا خصوصاً افطار کے وقت (بشرطیکہ روزہ کی حالت اللہ کی پسند کے مطابق ایمان اور احتساب والی ہو، ظلم اور غیبت وغیرہ سے بَری ہو)

۶۔ ایک مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں خصوصاً اس کی غیر حاضری میں کی گئی دعا

۷۔ حرمین الشریفین کی حاضری کے لیے نکلنے والے مسافر کی دُعا، گھر سے باہر قدم رکھنے سے لے کر واپس گھر کے اندر قدم رکھنے تک۔

۸۔ اولاد کی دُعا اپنے والدین کے حق میں۔

دُعا سے غفلت دُعا سے غفلت ربِ العزّت کے نزدیک بہت بڑی زیادتی ہے اور اس سبب سے یہ قابلِ مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دُعا سے اعراض برتنے والوں کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اُن کے اس رویے کے منطقی انجام سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا[1]

کہہ دو اگر تم خدا کو نہیں پکارتے تو میرے پروردگار کو بھی تمہاری پروا نہیں ہے

[1] الفرقان ۔ ۷۷

تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا لازم ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ، أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ [۱]۔

اور اُن لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے تئیں بھول گئے، یہ بدکردار لوگ ہیں۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ [۲]۔

انہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ بے شک منافق نافرمان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر فرامین بھی اس موضوع پر ملتے ہیں جو انسان کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔

چھوٹی سے چھوٹی حاجات کے لیے دُعا مانگنے اور سوال کرنے کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ درس دیا کہ تم اپنی ہر حاجت کے لیے اپنے رب ہی سے رجوع کرو اور یہ نہ دیکھو کہ مانگی جانے والی چیز کتنی بڑی ہے یا کتنی حقیر ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ اسی موضوع پر اور بھی فرامین ملتے ہیں، مگر ہم ایک پر ہی اکتفا کریں گے:

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَلُوا اللّٰهَ حَوَائِجَكُمْ حَتَّى الْمِلْحَ [۳] رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ضروریات کا سوال صرف اللہ سے کرو خواہ یہ نمک ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح بعض روایات میں نمک کی جگہ جوتے کا تسمہ بیان ہوا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پکار

---

[۱] الحشر۔ ۱۹

[۲] توبہ۔ ۶۷

[۳] الدعا المستجاب، احمد عبد الجواد جامعہ مدینہ صفحہ ۴۹۔

صرف خالق ہی کے لیے ہے۔ دوسرا کوئی رب العالمین کے مقابلے میں حاجت روائی کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ اعزاز ایک ہی ہستی کے لیے مختص ہے کہ اُسی نے اکیلے اپنی اس کائنات کی ہر چیز تخلیق کی اور اُسے ہی اپنی مخلوق کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا ادراک ہے اور حقیقی خزانہ بھی اسی کے پاس ہے۔

خدا ہی سے مانگنے پر زور کیوں؟

اِس بات کو اگر ہم ایک اور پہلو سے دیکھیں تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ آخر اُسی سے مانگنے پر زور کیوں دیا جا رہا ہے۔ ہم اُوپر قرآن کے حوالے سے یہ بات کہہ چکے ہیں کہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور عقل بھی، وہ تو اس قدر لاچار ہے کہ دیوار کے دوسری طرف نہیں دیکھ سکتا۔ کل کی اُسے حقیقی خبر نہیں۔ اپنے لیے جس چیز کو وہ خیر سمجھ کر مانگ رہا ہوتا ہے وہ واقعتاً خیر نہیں شر ہوتی ہے۔ اب اگر اللہ سے مانگتا ہے اور بدقسمتی سے اس میں شر پنہاں ہے تو خالق اپنے علم اور حلم اور حکمت کی بنیاد پر اُسے وہ عطا نہیں فرماتے بلکہ یا تو اُس کا اجر آخرت کے لیے محفوظ فرما لیتے ہیں یا اس پر آنے والی مصیبت ٹال دیتے ہیں اور یا قبولیت کو اس وقت تک مؤخر فرما دیتے ہیں۔ جب تک وہ اُس کے لیے نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے۔

اِس کے برعکس جس انسان سے بھی مانگا جائے وہ ولی ہو یا نبی اُسے نہ تو اللہ جل شانہ کے برابر علم نصیب ہے، نہ حلم و حکمت بلکہ خالق کا عطا کردہ محض کوئی معمولی حصہ ہے۔ اس بنیاد پر وہ اگر مانگنے والے کو مانگی جانے والی حاجت دے بھی دے اور مذکورہ مثال کے طرح وہ خیر کے پردے میں شر ہو تو سوچیے کہ انسان کس قدر خسارے میں رہے گا۔

بظاہر مانگنے والے نے خیر مانگی اور دینے والے نے خیر ہی سمجھ کر فراخدلی سے دے بھی دی، مگر لینے کے بعد لینے والا اصل مقصد و مدعا سے محروم رہا۔ چونکہ تخلیق کنندہ اپنی تخلیق کی فطرت، جبلت اور ہر کمی بیشی سے واقف ہے۔ اسی لیے اُس نے فرمایا کہ میرے بندے مجھ سے سوال کر، میں تمہیں تمہارے بھلے کے لیے دوں گا اور برے سے تمہیں محفوظ رکھوں گا۔ کونسا سودا نفع بخش تر ہے؟

آخر میں اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں صرف اور صرف اپنی ذات کا محتاج بنا دے اور اپنی پسند کا مانگنے کی توفیق دے۔ دوسروں سے ہمارا تعلق وہی ہو جو اُسے پسند ہے تاکہ میدانِ حشر کی ندامت سے ہم بچ جائیں اور سرورِ دو عالمؐ کی شفاعت ہمیں نصیب ہو جائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

جُمُعہ

مرتب :- چوہدری عبدالواحد گوندل - گوجرانوالہ

بعثتِ نبوی سے پہلے عرب جمعہ کے دن کو یومِ عروبہ یعنی عظمت والا کھلا دن کہتے تھے۔

تاریخ بعثتِ نبوی سے ۵۶۰ سال پہلے کعب لوئی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا تھا۔ کعب اس روز قریش کے مجمع کو خطاب کیا کرتے تھے۔ کعب ہی نے تقریر و خطبہ میں سب سے پہلے "اَمّا بعد" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اپنے خطبہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتے تھے اور آپ کی پیدائش سے لوگوں آگاہ کرتے تھے۔ قریش کو حکم دیتے تھے کہ جب وہ مبعوث ہوں تو اُن پر تم ایمان لانا اور ان کی پیروی کرنا۔ کعب بن لوئی کی شخصیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ عام الفیل سے پہلے عرب کعب بن لوئی کی موت کے دن سے تاریخ کا حساب کرتے تھے۔

قصی بن کلاب اور عبد مناف نے بھی اس دن کے لیے یہ نام استعمال کیا تھا۔

وجہِ تسمیہ امام احمد، امام نسائی، ابن حبان، ابن ابی حاتم میں ہے کہ اس دن کو یومِ جمعہ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس روز حضرت آدم علیہ السلام کے تخلیقی مادّے کو جمع کیا گیا تھا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس دن کے لیے بڑے کام جمع ہو گئے ہیں۔ قیامت جمعہ کو قائم ہوگی مخلوقات کو دوبارہ زندگی بھی اسی روز ملے گی۔ حساب کتاب اور اس کے بعد جنت اور دوزخ کا داخلہ بھی اسی روز ہوگا۔

حکمتِ جمعہ جمعہ کے روز مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنے میں بے شمار دینی اور ملّی مصلحتیں ہیں۔ پانچ وقت کی نماز میں پورے شہر کے لوگ جمع نہیں ہو سکتے۔ مشکل سے ایک محلہ کے لوگوں کا اجتماع ممکن ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کی اجتماعی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ شہر کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں

وقت کے مسائل سے آگاہ ہوں۔ ایک دوسرے کے حالات کا ان کو علم ہو۔ اجتماعی طور پر وعظ اور نصیحت کا موقع بھی ہو۔ ملک کے مسائل اُن کو بتائے جائیں۔ ملت کے مصائب اور اقدامات سے آگاہ کیا جائے۔ ان امور کے لیے ہفتہ بھر میں ایک دن اجتماع ہونا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ اجتماع شہر میں ایک ہی جگہ پر ہو۔ گو علما متاخرین نے متعدد مقامات پر جمعہ کو درست کہا ہے۔ اس کی اجازت انتظامی مشکلات کی وجہ سے دی گئی ہے، لیکن اس معاملہ میں کھلی چھٹی نہیں ہے کہ جہاں اور جس جگہ کوئی چاہے جمعہ شروع کر دے۔ معقول وجہ کے بغیر جا بجا جمعہ قائم کرنا مقاصد شریعت کے منافی ہے۔

فرضیتِ نمازِ جمعہ

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ ... (جمعہ)

اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جمعہ جاری تھی اور اس کے لیے اذان بھی دی جاتی تھی۔ اس آیت سے دونوں باتیں واضح ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی جمعہ ادا کرنے کا حکم نہیں ہے اور نہ جمعہ کے لیے اذان کا حکم ہے۔ البتہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس کی تائید و توثیق ضرور ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ کو احکام دیے جاتے تھے۔ اذان اور نماز جمعہ کا طریقہ حضورؐ کا مقرر کردہ ہے۔ کسی آیت سے اس کا طریقہ ثابت نہیں ہوتا۔ سورۂ جمعہ کی اس آیت میں بھی صرف اس حکم کے وجوب کی شدت کو بیان کیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد بھی کوئی آدمی یہ بات کہے کہ شریعت بس وہی کچھ ہے جو قرآن مجید میں ہے تو یہ بات خود قرآن مجید کی اس شہادت کے خلاف ہے۔ درحقیقت ایسا عقیدہ رکھنا حدیث اور سنت کا انکار ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کا بھی انکار ہے۔

احادیث میں جمعہ کا حکمِ فرضیت

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ جمعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں فرض ہوا تھا۔ الفاظ یہ ہیں:

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِي مَقَامِي هَذَا
فِي شَهْرِي هَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ جمعہ کا قیام سب سے پہلے مسجد نبوی میں ہوا۔ اس کے بعد پہلا جمعہ بحرین کے ایک قصبہ جواثی میں پڑھا گیا۔ ابو داؤد میں ہے کہ جواثی میں جمعہ بعد میں پڑھا گیا۔

طبرانی اور دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کی روایات کے مطابق جمعہ ہجرت سے قبل فرض ہو چکا تھا۔ مکہ میں اس پر عمل نہ ہو سکا۔ جو لوگ مدینہ پہنچ چکے تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ وہاں مدینہ میں جمعہ قائم کریں۔ اس حکم کے مطابق مہاجرین کے سردار حضرت مصعب بن عمیر نے بارہ آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔

مسند احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد میں ابن سیرین اور کعب بن مالک کی روایت کے مطابق رسول کریمؐ کے حکم سے قبل ہی انصار مدینہ جمعہ پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے مشورہ کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنا چاہیے جیسا کہ عیسائی اور یہودی اتوار اور ہفتہ کو اجتماعی عبادت کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے جمعہ کے دن کو اس مقصد کے لیے مقرر کر لیا۔ چنانچہ اسعد بن زرارہ نے انصار مدینہ کو بنی بیاضہ کے علاقہ میں پہلا جمعہ پڑھایا۔ جس میں چالیس آدمی شامل تھے۔ بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ اسعدؓ بن زرارہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور جمعہ مصعبؓ بن عمیر نے پڑھایا تھا۔ حضرت کعب بن مالک جب جمعہ کی اذان سنا کرتے تھے تو حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے تھے۔ ایک شاگرد کے سوال پر آپ نے واضح کیا تھا کہ سب سے پہلے اسعدؓ بن زرارہ نے ہی جمعہ قائم کیا تھا، اس لیے اُن کے لیے میں دُعا کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ شروع ہونے سے پہلے بحرین کے ایک گاؤں جواثی میں جمعہ پڑھایا گیا تھا۔[1] ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے کس قدر مزاج شناس تھے۔ احکام آنے سے قبل ہی اُن کے ذہن اس کی پیروی کے لیے تیار ہوتے تھے۔

یہی معاملہ جمعہ کی نماز کا ہے۔ مکہ سے ہجرت کر کے آپ سوموار کو مدینہ پہنچے۔ چار دن قبا میں

---

[1] مختلف روایات سے استفادہ کرتے ہوئے ترتیب یوں بنتی ہے کہ پہلا جمعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل مدینہ کے علاقہ بنی بیاضہ میں پڑھایا گیا، دوسرا سفر ہجرت کے آخری مراحل میں بمقام قبا (یا بنی سالم بن عوف کے علاقہ میں)، تیسرا مسجد نبوی بن جانے پر مدینہ میں۔ بحرین کے گاؤں جواثی کا جمعہ بعد کی بات ہے (مدیر)

قیام کرکے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں بنی سالم بن عوف کے مقام پر نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ اس جگہ پہلی جمعہ پڑھا گیا۔ اس میں ایک سو نمازی تھے (ابن ہشام)

جمعہ کا وقت: نماز جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد کا وقت ہے یعنی نماز ظہر کا وقت۔ قیام جمعہ کے لیے حضورؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو جو تحریری حکم بھیجا تھا دار قطنی میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

فَإِذَا مَالَ النَّهَارُ عَنْ شَطْرِهِ عِنْدَ الزَّوَالِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَتَقَرَّبُوا إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى بِرَكْعَتَيْنِ ۝ جمعہ کے دن جب نصف النہار سے دن ڈھل جائے تو دو رکعت نماز سے اللہ کا تقرب حاصل کرو۔ سلمہ بن الاکوع کے مطابق ہم حضورؐ کے ساتھ جمعہ پڑھتے اور واپسی پر دیواروں کا سایہ معمولی ہوتا تھا۔ یعنی زوال کے خاتمہ کے فوراً بعد جمعہ پڑھا جاتا تھا۔ مسند احمد، ابوداؤد، بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی میں مختلف صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں، جن میں زوال کے بعد جمعہ کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا تحریری حکم کے علاوہ قولاً بھی آپؐ نے یہی حکم فرمایا تھا۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک زوال سے قبل نماز جمعہ جائز ہے[1] بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بات درست ہے کہ زوال سے قبل نماز جمعہ جائز اور زوال کے بعد واجب اور افضل ہے۔

دوگانہ، خطبہ اور اذان: نماز جمعہ ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے۔ ادائے جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ جو شخص جمعہ نہ پڑھ سکے، نماز ظہر ادا کرے۔ نماز جمعہ کی دو رکعتیں ہیں جو فرض ہیں۔ رسول اکرمؐ خطبہ بھی دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کے الفاظ یہ ہیں:

قُصِرَتِ الْجُمُعَةُ لِأَجْلِ الْخُطْبَةِ۔

نماز جمعہ کو خطبہ کے لیے مختصر کیا گیا ہے۔ دو رکعت نماز "سنت تحیۃ الجمعہ" خطبہ کے دوران

---

[1] حضرت امام احمد بن حنبل کا سلسلۂ استدلال میرے سامنے نہیں، البتہ اُمت کی متعداد کثیر نے جمعہ کو ظہر کے قائم مقام سمجھا ہے اور اس لیے ظہر ہی کے وقت کو نماز جمعہ کا وقت قرار دیا ہے جو بہر حال زوال کے بعد ہوتا ہے۔ (مدیر)

بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یہی تحیۃ المسجد بھی ہو گی۔ احناف کے نزدیک تحیۃ المسجد الگ ہے اور یہ خطبہ کے دوران پڑھنی نہیں چاہیئے۔ (مظہری)

"اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ" میں جس اذان کا ذکر ہے۔ یہ وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے زمانہ میں ایک ہی اذان دی جاتی تھی۔ دوسری اذان مدینہ میں آبادی بڑھ جانے کے بعد حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اُن کے مکان زوراء پر دی جاتی تھی جو کہ مدینہ کے بازار میں تھا۔

خطبۂ جمعہ کے مزید احکام خطبہ کا سننا جمعہ میں شامل ہے کیونکہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ میں ذکر سے مراد خطبہ ہے۔ خطبہ اتنا ضرور ہونا چاہیے جس کو عرب خطبہ کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول کہ صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور سُبْحَانَ اللّٰہ بھی خطبہ ہے [1] (بحوالہ مظہری)۔ اس سے اختلاف کیا گیا ہے اور بعض حلقے اسے درست نہیں مانتے۔ لیکن خطبہ طویل بھی نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اکرمؐ ہمیشہ مختصر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آخری حج کے موقع پر آپؐ کا خطبہ سب سے لمبا ہے لیکن وہ بھی دس پندرہ منٹ سے زیادہ وقت کا نہیں ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے کہ خطبہ اتنا ہو جس کو عرب خطبہ کہتے ہیں۔

خطبہ کے لیے ذکر اللہ کا لفظ بولا گیا ہے، اس لیے خطبہ میں وہی مضامین ہونے چاہئیں، جن کا ذکر اللہ سے تعلق ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خطبۂ جمعہ میں یہ امور واجب ہیں "اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، رسول اکرمؐ پر درود، تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دُعا"۔ جمعہ کے خطبہ میں توحید آخرت، رسالت کا بیان ہونا چاہیے۔ شریعت پر عمل کی تلقین اور اعمالِ بد سے اجتناب کی نصیحت کی جائے اور نفاذِ اسلام اور تبلیغِ دین کے لیے رغبت دلانی چاہیے۔

خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا [2] کی تشریح میں مسند احمد، مسلم،

(باقی بر صفحہ ۵۴)

---

[1] یہ کم سے کم مقدار ہے۔ [2] الجمعہ - ۱۱

بحث و نظر

"ایڈز" اور ہم جنسیت

(ادارہ)

اپنے ایک خیر اندیش ڈاکٹر مشتاق احمد ایم بی بی ایس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ترجمان القرآن (ستمبر ۱۹۸۵ء) میں "ایڈز" کے متعلق شائع شدہ میرے ایک نوٹ پر گرفت کی ہے۔ ان کا خلاصۂ مدعا یہ ہے کہ ہم جنسیت یا سدومیت ایڈز کی ثابت شدہ وجہ نہیں ہے بلکہ جن لوگوں نے ایڈز کو ہم جنسیت پر مبنی قرار دیا ہے انھوں نے لفظ PROBABALY (غالباً یا بہ گمان غالب) کے ساتھ بات کی ہے۔ پھر آپ ایک غیر ثابت شدہ (UNPROVED) نظریے کو کس طرح قرآنی حقائق کے لیے بطور ثبوت پیش کرتے ہیں؟[1]

میں نے بات بہت مختصر لکھی ہے اور نپے تلے جملوں سے کام چلایا ہے، کیونکہ ایک مسئلہ ابھی ابھی ابتدائی طور پر سامنے آیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ قابلِ گرفت جملہ یہ ہے کہ "ہم جنسیت تو خطرناک روگ کا باعث ہے"۔

۱؎ قرآنی حقائق ہماری نگاہ میں بغیر کسی واضح تجرباتی شہادت کے ثابت ہیں اور جن گناہوں سے روکا گیا ہے ان کا اصل نقصان اخلاقی ہوتا ہے، مگر بسا اوقات کوئی ظاہری تجرباتی صورت ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو بڑی سبق آموز ہوتی ہے۔ آپ ساری بحثوں کو چھوڑ کر کم از کم یہ صورتِ حالات سامنے رکھیں کہ کل جن قوموں نے ہم جنسیت کے لیے قانونی جواز حاصل کیے اور اس بنیاد پر ان کے اندر دھوم دھڑلے سے مناکحتیں ہوئیں۔ آج وہ ہم جنسیت کے بارے میں اس طرح لرزہ براندام ہیں جیسے سرطان سے تھیں

میرے لکھنے کے بہت بعد روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۸۵ء میں بہت نمایاں طور پر خصوصی بحث ایڈز کے بارے میں کی گئی ہے۔ اس میں "احتیاطی تدابیر" کے نام سے طلعت قریشی لکھتے ہیں کہ:

"ایڈز کے سلسلے میں طبی حلقوں کی توجہ ہم جنس پرستوں پر مرکوز ہے۔ کیونکہ ایڈز کی بیماری کے وائرس زیادہ تر انہی لوگوں میں پائے گئے ہیں"۔ (مسٹر قریشی نے دوسرے ذرائع کا ذکر بھی کیا ہے)

ڈاکٹر میجر امتیاز علی چودھری (سربراہ شعبۂ جنسیات و امراض مخصوصہ، میو ہسپتال لاہور) اسی سلسلۂ بحث کی ابتدا میں اپنے مضمون "ایڈز ــــ جنسی آزادی اور بے راہ روی کا شاخسانہ" میں رقم طراز ہیں کہ:-

"اس میں ہم جنس پرستوں، کال گرلز اور طوائفوں کا بڑا بھیانک کردار ہے"۔

درحقیقت اسی حقیقت کو انگریزی جرائد کے دئیے ہوئے مواد کی روشنی میں ہم نے یوں بیان کیا کہ ہم جنسیت خطرناک روگ کا باعث ہے۔ زیادہ سے زیادہ "باعث" سے "ذریعہ" مراد لے سکتے ہیں۔

متذکرہ نوٹ کو لکھتے ہوئے میرا تصور یہ تھا کہ جراثیم تھیوری کے بموجب مختلف امراض کے جراثیم اور وائرس تو ہمارے اردگرد پائے جاتے ہیں، مگر اہم مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی جسم میں کس ذریعے سے داخل ہو کر حالتِ مرض پیدا کرتے ہیں۔ جس طرح طاعونی چھوت کو پھیلانے میں چوہوں اور پسوؤں کو، ہیضے کے جراثیم کو منتقل کرنے میں مکھیوں کو اور لوگوں کو ملیریا کا شکار بنانے میں مچھروں کو اہمیت حاصل ہے اور ان کو انتقالِ جراثیم کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عرفِ عام میں بیماری یا وبا کا سبب بھی سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایڈز کے وائرس کو پھیلانے میں بازاری اور خصوصاً ہم جنسیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اب اس بنیاد پر اگر کہا جائے کہ ہم جنسیت تو بڑے خطرناک روگ کا باعث ہے تو میرا خیال ہے کہ ہم عرفِ عام کے لحاظ سے کوئی غلطی نہیں کر رہے ہوتے، لیکن اگر خالص میڈیکل یا سائنٹفک مبحث کے طور پر مفکرانہ سطح پر گفتگو ہو تو بات ریاضیاتی انداز میں نپی تلی کی جائے گی۔

رسائل و مسائل

قبرستان، قربانی اور زیور کی زکوٰۃ

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک صاحب۔ منصورہ

سوال:۔ اس سے پیشتر بھی آپ کی خدمت میں دو عدد خطوط لکھے تھے۔ آپ نے مذہب کے بارے میں صحیح فیصلے سے آگاہ فرمایا۔ چند اور سوال ذہن میں آئے ہیں۔ اُمید ہے جواب ضرور بھیجیں گے۔

ا۔ کیا عورت کا قبرستان جانا بالکل منع ہے؟
میں قبرستان صرف اس لیے جانا چاہتی ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تین بیٹیوں کے بعد ایک بیٹا دیا تھا جو چار ماہ کا ہو کر رضائے الٰہی سے وفات پاگیا۔ بس صرف اس کی قبر پر جانا چاہتی ہوں، لیکن میرے خاوند مجھے جانے نہیں دیتے۔

۲۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر اگر عورت اپنی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کیا حکم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں خود کماتی تو نہیں۔ بس دل بہت چاہتا ہے کہ اپنی طرف سے قربانی کروں۔ خاوند علیحدہ کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنی رقم سے بکرا خرید کر میری طرف سے قربانی کرسکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر عورت خود کماتی ہو تو پھر وہ اپنی طرف سے قربانی کرسکتی ہے؟

۳۔ زکوٰۃ کے بارے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے میاں کا یہ استفسار ہے کہ عورت چونکہ زیور کی مالک ہوتی ہے اس لیے وہ ہر سال خود زکوٰۃ دے مگر جب وہ خود نہ کماتی ہو تو یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ ہر سال زیور میں سے کچھ بیچ کر زکوٰۃ ادا کرے جب کہ میرے ذہن کے مطابق زیور عورت کی ملکیت نہیں ہوتا۔ مرد کو بوقتِ ضرورت

ہوتی ہے تو اُسے بیچ دیتا ہے۔ پھر اکیلی عورت تو مالک نہیں ہو سکتی۔ اور دوسری بات یہ کہ زیور اُسے حق مہر میں بھی نہیں ملا۔

۴- میری ساس کے پاس کچھ زیور ہے جو کہ اُن کے کہنے کے مطابق کڑے دونوں بیٹوں کو اور کانوں کی جھمکیاں اور انگوٹھیاں دونوں بیٹیوں کو ملیں گی۔ وہ ماشاء اللہ ابھی حیات ہیں۔ لیکن انہوں نے فیصلہ کر کے سب کو بتا دیا ہے کہ یہ میری طرف سے سب کو میرے مرنے کے بعد تحفہ ملے گا۔ لیکن میرے میاں کا اصرار ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ سب کچھ شریعت کے مطابق تقسیم ہو گا۔ اس کے بارے میں بھی آپ کے مشورے اور مذہب کے صحیح فیصلے کے مطابق جاننا چاہتی ہوں۔

جواب:

۱- نوجوان عورتوں کے لیے ایسی صورت میں قبرستان میں جانا جب کہ مقصد رونا، پیٹنا اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا نہ ہو، ممنوع تو نہیں ہے۔ لیکن بہتر بھی نہیں ہے۔ البتہ عمر رسیدہ خواتین عبرت حاصل کرنے اور آخرت کو یاد کرنے کی خاطر جانا چاہیں تو بلا کراہت جائز ہے۔ آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے شوہر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کریں۔ بیٹے کی قبر پر پہنچ کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ سے صبر نہ ہو سکے اور شرعی حدود سے تجاوز ہو جائے۔

۲- شوہر اپنی رقم سے آپ کی طرف سے قربانی دے سکتے ہیں۔ آپ کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ لیکن اگر ان پر قربانی واجب ہو تو اپنی قربانی کے ساتھ آپ کی طرف سے قربانی دیں۔ عورت اگر خود صاحبِ نصاب ہو تو اُس پر بھی قربانی دینا واجب ہوتا ہے۔

۳- زیورات کے بارے میں فیصلہ کرنا کہ ان کا مالک کون ہے، آپ لوگوں کا اپنا کام ہے۔ آپ یہ طے کر لیں اور اس کے بعد جو بھی اس کے مالک ہوں ان پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ اگر مالک آپ ہوں تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے شوہر آپ کو اتنی رقم بطور ہبہ دے دیا کریں جس سے آپ کے زیورات کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔ ملکیت کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ زیورات دیتے وقت دینے والے کی نیت کیا تھی، یا عرف اور رواج کیا تھا۔ اگر دیتے وقت خاوند نے یہ نیت کی تھی کہ اس کی بیوی زیور کی مالکہ ہوگی یا عرف اور رواج مالکانہ طور پر

دینے کا تھا تو بیوی مالکہ شمار ہو گی۔ اور اس کی ملکیت پر یہ بات اثر انداز نہ ہو گی کہ خاوند بوقتِ ضرورت بیچ دیتا ہے تو بیوی رکاوٹ نہیں ڈالتی۔ بلکہ ایسی صورت میں خاوند کو بیوی سے باقاعدہ اجازت لینا چاہیے۔

۴۔ اگر آپ کی ساس اپنا زیور اپنی زندگی میں باقاعدہ ہبہ کر کے اس پر ان لوگوں کو مالکانہ قبضہ نہیں دیتیں جنہیں وہ ہبہ کرتی ہیں تو ان کی وفات کے بعد اس کی تقسیم تمام ورثہ میں حصصِ وراثت کے مطابق ہو گی۔ آپ کے شوہر کی رائے اس سلسلہ میں درست ہے۔ نیز اگر آپ کی ساس اپنی زندگی میں زیور ہبہ کرنا چاہتی ہیں تو بھی انہیں چاہیے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کو ان کے حصوں کے مطابق ہبہ کر کے دیں۔

(بقیہ جمعہ)

ابوداؤد میں جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ حضورؐ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔

خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد باتیں کرنا منع ہے۔ تنکوں کو توڑنا اور دریوں اور صفوں سے کھیلنا بھی منع ہے۔

خطبۂ جمعہ مختصر اور نمازِ جمعہ (یعنی قراءت) لمبی پڑھنی چاہیے۔ یہی مسنون طریقہ ہے لوگوں کو اللہ کے غضب اور عذاب سے ڈرانا چاہیے۔ نیک اعمال پر جنت اور اجرِ عظیم کی بشارت سنانی چاہیے۔ ان اچھے لوگوں کے حالاتِ زندگی بیان کرنے چاہئیں جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور اپنی زندگیوں کو حکمِ شرع کے مطابق بسر کرتے تھے۔ دین کے لیے جان اور مال کی پروا نہ کرتے تھے۔

(باقی)

مطبوعات[1]

مکاتیب بہادر یار جنگ (۲) پیش کش از بہادر یار جنگ اکادمی، سراج الدولہ روڈ، بہادر آباد، کراچی۔ تقریباً پونے تین سو صفحات مجلد۔ قیمت: ۳۰/- روپے

نواب بہادر یار جنگ برصغیر کی ان چند شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن سے میرے دل و دماغ متاثر ہوئے۔ نواب مرحوم نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے جو کام مختصر مہلتِ حیات میں کیا وہ بڑا قابلِ قدر ہے۔ تین طرح کے توبہ توبہ بوجھ ان پر تھے — انگریزی سامراج کا تسلط، ریاستی نظام کی تحدیدات، ہندوؤں کی مسلم دشمن چانکیائی سیاست — چکی کے ان تین پاٹوں کے نیچے آ کر بھی وہ دانۂ گوہر نہ پسا۔ نواب مرحوم کی شخصیت، ان کے حلقۂ روابط، ان کے نظریاتی کار اور سرگرمیوں، ان کے ذوقِ ادب و انشا، ان کے وقت کے واقعات و حوادث کو سمجھنے میں ان خطوط کا یہ مجموعہ بہت مدد دیتا ہے۔ اِس مجموعے کا یہ حصہ دوم ہے۔ جن شخصیتوں کو خطوط لکھے گئے اُن کی فہرست بہت طویل ہے۔

بیانِ بے خودی مترجم مثنوی رموزِ بیخودی از اقبال، پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل۔ ناشر: ادارہ تنویریاتِ علم و ادب - ۵۰۵ پیر الٰہی بخش کالونی - کراچی۔

فارسی زبان کے فروغ کا دور برصغیر میں آہستہ آہستہ ختم ہو گیا ہے۔ نئی نسل کے لیے مشکل ہے کہ وہ اقبال کے فارسی کلام کو سمجھ سکے جو نہایت اہم ہے۔ چنانچہ اب اقبال کے فارسی کلام کے تراجم ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک اضافہ یہ ترجمہ بھی ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ادبیات خصوصاً شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے پورے پورے ادبی اور فنی جمال کا عکس دکھانا بڑا مشکل ہے۔ عبدالرشید فاضل صاحب کی

[1] بدقسمتی سے اس مرتبہ مطبوعات کے لیے جگہ نہ رہی۔ پھر ایک کتابت شدہ مضمون کے دو صفحے آئندہ کے لیے چھوڑ کر تھوڑی سی جگہ پیدا کی گئی۔ اب مجبوری ہے کہ اس میں صرف چند کتب کا نہایت اجمالی تعارف درج ہو سکے گا۔ اشد مجبوری کے تحت بعض کتابوں اور پمفلوں کے صرف نام ہی دیئے جا رہے ہیں۔

کوشش خاصی قابلِ قدر ہے۔ اب یہ اندازہ تو خاص لوگ ہی کر سکتے ہیں کہ اقبال کی اقبالیت کہاں تک اُردو ترجمے میں آسکی ہے۔ اگر گنجائش ہوتی تو مختلف مقامات سے اشعار کو سامنے رکھ کر راقم گفتگو کرتا، مگر مجبوری۔

ماہنامہ طالب علم | مدیر: سید قاسم محمود۔ دفتر: حاجی بلڈنگ، حسن آفندی روڈ، کراچی۔
قیمت فی شمارہ: دس روپے۔ سالانہ: ۱۰۰/- روپے۔

بیس عرصے سے سید قاسم محمود کی غیر معمولی ذہانت کے کرشمے دیکھ رہا ہوں۔ اس شخص نے تو "اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے" کا سماں پیدا کر دیا۔ کئی دلچسپ و مفید تجربوں کے بعد اب رنگین مصور ماہنامہ طالب علم سامنے ہے جسے "مذہب، سائنس اور ادب کے خادم" کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ تقریباً تمام جدید متداول علوم کے ماضی و حال کے ابواب کو سامنے لاکر ماہنامہ مفید خدمت کر رہا ہے۔ حیرت صرف اس پر ہے کہ سید قاسم محمود جیسے ذہین (اور" جذبۂ اسلامی سے بھی آراستہ") شخص کے کام میں اتنا زیادہ "ترجمہ پن" کیوں ہے کہ وہ نہ کسی فلسفے پر تنقید کرتا ہے، نہ کسی سائنسی قیاسیت پر گرفت کرتا ہے اور نہ تصورات باطلہ کے بالمقابل اسلامی نظریات کو اُبھارتا ہے۔ بصورت موجودہ تو قارئین خصوصاً نوخیز نسلوں کے رگ و پے میں مغربیت اور لادینیت اور مادہ پرستی کے جراثیم اتر جائیں گے۔ تھوڑے سے ناقدانہ شعور کی ضرورت ہے۔

عشر اور زکوٰۃ کا اسلامی تصور | از جناب فضل الرحمٰن کلیم۔ ناشر: مہتمم دفتر گلدستۂ نماز، گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ۔ صفحات: ۱۶۸ قیمت: ۱۰/- روپے۔

پکار۔ اجتماع نمبر | ادارت: تسنیم اقبال فرحت۔ دفتر رابطہ ۱۸، شاد باغ لاہور ۳۹
ایمان و شعور سے آراستہ طالبات کا ترجمان۔ خاص نمبر ۲۷۲ صفحات قیمت: ۹/- روپے

اشتراکی روس اور مسلمان | قاضی محمد سعید بی۔اے۔ ناشر: اسلامی مشن سنت نگر، لاہور۔ اچھا پمفلٹ ہے۔ قیمت درج نہیں۔

اُمتِ مسلمہ | ترجمہ تقریر ڈاکٹر یوسف القرضاوی۔ ناشر: ادارہ خیر و فلاح، بلاک نمبر ۱۳۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی۔ مفت تقسیم۔

اپیل کمارسے مجاہد اسلام تک | مرتب۔ اظہر ندیم۔ ناشر: عامر اکیڈیمی زیلدار روڈ، اچھرہ لاہور۔ قیمت۔ ۳/۵۰ روپے

سید ابوالاعلیٰ مودودی

کی

اوّلین تصنیف

اَلجِہَادُ فِی الاِسلام

— جو کہ ۲۳ سال کی عمر میں تحریر کی گئی۔

— جس کی علامہ اقبال نے بھی تعریف و تحسین فرمائی۔

— جسے تحریکِ قیامِ پاکستان کے دوران میں مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لیے کثیر تعداد میں پھیلایا گیا۔

— اسلام کے نظریہ جہاد اور قانونِ صلح و جنگ کی بہترین اور مکمل تصویر۔

— دیگر مذاہب و اقوامِ عالم کے جنگی مقاصد و نظریات۔

اور

— بین الاقوامی قانونِ قتال کا تقابلی مطالعہ۔

— اسلامی قواعد جہاد کی برتری کے تفصیلی دلائل۔

— جہاد کے مخالفین و معترضین کا مسکت جواب۔

— درجنوں کتب و دستاویزات کے مطالعہ کا نچوڑ۔

۶۰۰ صفحات — قیمت: /۳۸ روپے مجلد /۴۵ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر: ۳۲۴۴۶۸ / ۶۸۶۳۶